UNIVERSAL LIBRARY
OU_224969
UNIVERSAL LIBRARY

Presented to the Osmania University Library

With the

compliments of

Professor Mohd. J. Rehman.

(Osmania University.)

Al-Riaz.

Hyder Guda.

Hyderabad-Dn.

مصر آل طولون کے عہد میں

از

جناب محمد جمیل الرحمٰن صاحب ایم اے۔ پروفیسر تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی۔

حیدرآباد۔ دکن

گذشتہ مضمون[1] میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ خلافت عباسیہ کے آغاز میں جو تبدیلی مصری سیاسیات میں شروع ہوئی تھی اُس کی تکمیل خلیفہ معتصم نے اس طرح کی کہ خلیفہ ہوتے ہی حکم دیا کہ مصر میں عربوں کے ارزاق مسدود کردیے جائیں۔ اس حکم سے عربوں کے سیاسی تفوق کا یک لخت خاتمہ ہوگیا اور انھیں دوسرے اہل مصر کی طرح عام آبادی کا ایک حصہ بننا پڑا۔ معتصم کا عہد مصر میں صرف اسی سیاسی تبدیلی کا باعث نہیں ہوا، بلکہ اسی کے زمانے میں یہ ملک بطور جاگیر ایک ترک امیر اَشناس کو دے دیا گیا۔ ترکوں کو سب سے پہلے خلیفہ ہارون رشید نے ملازم رکھنا شروع کیا تھا، لیکن ان کا عروج معتصم ہی کے زمانے کا واقعہ ہے۔ اسی خلیفہ نے گردوپیش کے حالات دیکھ کر اندازہ کیا تھا کہ عجمیوں پر اتنا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا جتنا کہ اس کے پیشروؤں نے کیا تھا۔ اُن ترکوں میں جنھیں اُس کے زمانے میں اقتدار حاصل ہوا، ایک اَشناس بھی تھا، اور اُس کے اقتدار کی حد یہ تھی کہ ملک مصر اُسے بطور جاگیر دیا گیا تھا۔

یہ ضروری نہیں سمجھا گیا کہ خود اَشناس مصر جائے، بلکہ اُس نے اپنی طرف سے بطور نائب کسی دوسرے شخص کو وہاں بھیج دیا۔ باوجود اس کے کہ عربوں کے ارزاق بند ہوچکے تھے، غالباً زیادہ مناسب یہ سمجھا گیا تھا کہ ان کا اقتدار ایک بارگی ختم نہ کیا جائے۔ چنانچہ ۲۱۸ھ سے ۲۴۲ھ تک برابر عرب امراء

---

[1] "عرب مصر میں"۔ رسالۂ سیاست (حیدرآباد۔ دکن) جولائی ۱۹۴۱ء

مصر پر مقرر ہوتے رہے۔ لیکن اس چوبیس برس کے عرصہ میں کم و بیش بارہ مرتبہ مصر کے حاکم بدلے گئے۔ ابتداءً ان کا تقرر اَشناس کی طرف سے ہوتا تھا۔ ۲۳۰ھ میں اَشناس کا انتقال ہوا تو خلیفہ واثق باللہ (۲۲۷ھ سے ۲۳۲ھ) نے ایتاخ کو اُس کا جانشین بنایا، اور امراءِ مصر ایتاخ کی طرف سے مقرر ہونے لگے۔ ۲۳۵ھ تک یہ حالات باقی رہے۔ اس سال خلیفہ متوکل نے ایتاخ کو معزول کیا، اور خلافت کے تمام ممالک اپنے بیٹوں میں تقسیم کر دئے۔ اب امراءِ مصر المنتصر بن المتوکل کی طرف سے مقرر ہونے لگے، اور جس طرح مصر کے منبروں پر سے خلیفہ کے بعد اَشناس اور ایتاخ کے لئے دعا کی جاتی تھی، اُسی طرح اب منتصر کے لئے دعا ہونے لگی۔ آخری عرب امیر عنبسہ بن اسحاق الضبی منتصر ہی کی طرف سے ۲۳۸ھ میں مقرر ہوا تھا۔[2] منتصر کا مقرر کردہ آخری امیر یزید بن عبداللہ الترکی تھا، جو خلیفہ منتصر کی وفات یعنی ۲۴۸ھ تک مصر کا والی رہا۔ اس وقت تک ترک امراءِ خلفاءِ عباسیہ پر اس درجہ حاوی ہو گئے تھے کہ انہیں کے مشورے سے المستعین احمد بن المعتصم کو خلیفہ منتخب کیا گیا اور پھر ۲۵۱ھ میں اُسے انہیں امرا نے خلع پر مجبور کیا۔ متوکل کا دوسرا بیٹا معتز (۲۵۱ھ سے ۲۵۵ھ) اب خلیفہ ہوا۔ نیا خلیفہ بُغا الترکی سے ناراض تھا، اور اس کے زمانے میں ایک اور ترک امیر بایکباک[3] امورِ خلافت پر حاوی تھا۔ حسن بن مَخْلَد اور ابو نوح عیسیٰ بن ابراہیم بن نوح اس کے معاون و مددگار تھے۔ خلیفہ معتز ہی نے بایکباک کو مصر کے اعمال المعاون کا حاکم مقرر کیا اور بایکباک نے بطور نائب احمد بن طولون کو منتخب کیا۔ اس طرح رمضان ۲۵۴ھ میں احمد بن طولون مصر کا حاکم مقرر ہو کر فسطاط پہنچا۔[4]

(۱)

طولون ترکوں کے قبیلۂ طغزغز[5] یا طغازغان سے تھا۔ ۲۰۰ھ میں بخاری و خراسان کے عامل

---

[2] الکندی ص ۲۰۰، ۲۰۲ +

[3] ترکی ناموں کے املا میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ ہر ایک نام طرح طرح سے لکھا جاتا ہے۔ بایکباک کے املا میں طبری کی پیروی کی گئی ہے۔ باقی ترکی ناموں میں بھی یہ خیال رکھا گیا ہے کہ زیادہ معروف املا کو اختیار کیا جائے +

[4] یعقوبی ج ۲ - ص ۶۱۵، ۶۱۶ + طبری - ج ۱۱ - ص ۱۵۷ + [5] لین پول ص ۶۰ + [6] مقریزی ج ۱ - ص ۳۱۳ +

نوح سامانی نے اُس مال واسباب، غلاموں اور ماوراالنہر کے مویشی کے ساتھ، جو وہ سالانہ دربار خلافت میں بھیجا کرتا تھا، اسے خلیفہ مامون کی خدمت میں پیش کیا۔ مامون نے طولون کو آزاد کردیا، اور وہ رفتہ رفتہ ترقی کرکے امراء دولت کے زمرے میں شریک ہوگیا۔ ابوالعباس احمد بن طولون ۲۲۰ھ یا بروایتے ۲۱۴ھ میں بغداد یا سامرا میں پیدا ہوا۔ زیادہ قابل اعتبار روایت یہ ہے کہ اس کی جائے پیدائش سامرا ہی ہے۔ ماں ہاشم یا قاسم نام ایک لونڈی تھی۔ بعض لوگ جن میں کچھ مصری بھی شامل ہیں، کہتے ہیں کہ احمد درحقیقت طولون کا بیٹا نہیں تھا، بلکہ اس کے باپ کا نام ملیح الترکی تھا[۴] اور چونکہ اس کی ماں قاسم طولون کی لونڈی تھی اس لئے اُسے طولون سے منسوب کردیا گیا۔ لیکن ابوالعباس خاقان نے یہ روایت اس وجہ سے غلط قرار دی ہے کہ الموفق نے جب احمد پر لعنت بھیجنے کا حکم دیا ہے تو اُسے طولون کی طرف ہی منسوب کیا تھا، نہ کہ ملیح کی طرف۔ طولون کا انتقال ۲۳۰ھ یا ۲۴۰ھ میں ہوا، اور اس کے مرنے پر خلیفہ متوکل نے اس کا تمام اثاثہ اور مال احمد کے سپرد کردیا۔

اولادِ عجم کے برعکس، جن کی بڑی تعداد اس وقت بغداد اور سامرا میں موجود تھی احمد بن طولون کی تعلیم وتربیت نہایت عمدہ طریقہ پر ہوئی تھی، اور چال چلن کے لحاظ سے بھی وہ تمام عیوب سے مبرا تھا۔ اُس میں وہ خرابیاں بھی نہیں پائی جاتی تھیں جو عام طور پر اس طبقے سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اُس نے سامرا یا بغداد میں علم قرآن حاصل کیا، حافظ قرآن ہوا، اور خوش الحانی اُسے خدا کی طرف سے ملی تھی۔ اس کے بعد اُس نے حنفی فقہ حاصل کی۔ جوان ہوا تو اپنی چچا زاد بہن خاتون سے، یا مقریزی[۵] کے مطابق اماجور کی بیٹی سے نکاح کیا جس کے بطن سے ۲۴۲ھ میں اس کا سب سے بڑا بیٹا عباس پیدا ہوا۔ اسی بیوی کے

---

[۴] ابن خلدون (ج ۴۔ ص ۲۹۸) نے اس شخص کا نام الیخ لکھا ہے۔ اس مورخ نے یہ روایت صدرالدین بن عبدالظاہر سے بیان کی ہے، اور ابن عبدالظاہر نے اخشید کی ایک سوانح عمری کا حوالہ دیا ہے۔ اس کے مطابق طولون دراصل الیخ کے مرنے پر احمد کا کفیل ہوا تھا۔ اسی وجہ سے وہ احمد بن طولون مشہور ہوگیا تھا۔ لیکن ابن عبدالظاہر خود لکھتے ہیں کہ "لم أر ذلك لغيره من المؤرخين"

[۵] خطط ج ۱۔ ص ۳۱۴ +

بطن سے اُس کی ایک بیٹی فاطمہ بھی تھی۔

جوانی ہی میں علم و فضل کی وجہ سے احمد بن طولون کو شہرت حاصل ہوگئی تھی۔ ترکوں اور ان کی اولاد کو وہ برا سمجھتا تھا، اُن کی عقل و فہم کو حقیر جانتا تھا، یہ لوگ خلیفہ کے ساتھ جس قسم کا سلوک کرتے تھے اُس سے بیزار تھا، اور کہا کرتا تھا کہ ان لوگوں کی وجہ سے حرمت اسلام ہتک ہے۔ اسی بیزاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آخر دارالخلافہ کو خیرباد کہنے پر آمادہ ہوگیا۔ احمد بن طولون کا خاص دوست خاقانی بیان کرتا ہے کہ

"ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ ان موالی، یعنی ترکوں، کے جرموں میں کب تک شریک رہو گے؟ ان کے خطا و جرم کے ہم بھی ملزم قرار دئے جاتے ہیں۔ بہتر ہے کہ وزیر سے استدعا کریں کہ ہمارا رزق ثغر الشام پر لکھ دے۔ وزیر عبید اللہ بن یحییٰ نے یہ درخواست منظور کرلی، اور یہ دونوں دوست طرطوس روانہ ہوئے۔ طرطوس اُس وقت شامی سرحد پر نہایت ہی اہم فوجی مقام تھا، جس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ کوئی اسلامی ملک ایسا نہ تھا جہاں سے اس کی حفاظت کے لئے فوجیں نہ بھیجی جاتی ہوں۔ یہ لوگ پیشے کے لحاظ سے سپاہی تھے، لیکن جب جنگی مہمات میں شریک نہ ہوں تو یہی سپاہی عابد و زاہد بن جاتے تھے اور اپنا وقت ذکر الٰہی میں گزارتے تھے[۵]۔ اس طرح یہ مقام فوجی مرکز ہونے کے علاوہ علم اور خصوصاً علوم دین کا مرکز بھی تھا۔ احمد بن طولون کے وہاں آنے کے بعد بہت جلد اہل طرطوس اس کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دیکھ کر اُس کے گرویدہ ہو گئے۔ اس نے بھی اس عارضی قیام سے پورا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ طرطوس میں اُس نے علم حدیث کی تکمیل کی، اور زھاد و اہل الورع کی صحبت سے فیض یاب ہوا۔ اس اثنا میں خاقانی طرطوس سے سامرا واپس آیا۔ اُس کی واپسی کی خبر سُن کر احمد بن طولون کی والدہ روتی ہوئی آئی اور کہا کہ یقیناً میرا بیٹا مر گیا ہے۔

---

[۵] یاقوت۔ معجم البلدان۔ تحت طرطوس۔

اسی وجہ سے تم اکیلے واپس آ گئے ہو۔ خاقانی کہتا ہے کہ میں نے قسمیں کھا کر اُسے یقین دلایا کہ میں نے اسے بخیر و عافیت طرطوس میں چھوڑا ہے۔ جب میں طرطوس واپس آیا تو احمد کو اُس کی والدہ کی حالت سے مطلع کیا، اور کہا کہ اگر تم اپنی والدہ کو اس حالت میں چھوڑ کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے خواہشمند ہو تو غلطی کر رہے ہو۔ احمد نے طرسوس سے واپس جانے کا وعدہ کیا۔ پانچ سو آدمیوں کا ایک قافلہ جس میں یہ دونوں دوست بھی شریک تھے طرسوس سے روانہ ہوا۔ اُدھر خلیفہ مستعین کا ایک خادم خلیفہ کے لئے قسطنطنیہ سے قیمتی کپڑے لئے ہوئے واپس آ رہا تھا۔ وہ بھی اس قافلے میں شریک ہو گیا۔ اب قافلہ رُہا کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن راستے میں اطلاع ملی کہ "رہزن اعراب کی جماعت تمہارے انتظار میں ہے، اور بہتر ہے کہ تم رُہا کے قلعے میں پناہ گزیں ہو جاؤ۔" مگر احمد بن طولون نے کہا کہ میں تو جہاد ہی کی غرض سے نکلا ہوں۔ چنانچہ اسی کی سرکردگی میں یہ لوگ رہزنوں کی جماعت پر حملہ آور ہوئے، ان میں بعض کو قتل کیا اور باقی ماندہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں میں احمد طولون کی مہابت اور عزت اور بھی بڑھ گئی۔[۱۰]

مستعین نے وہ رومی کپڑے جو اُس کا خادم قسطنطنیہ سے لایا تھا بہت پسند کئے۔ خادم نے اطلاع دی کہ اگر احمد بن طولون نہ ہوتا تو نہ یہ کپڑے پہنچتے اور نہ وہ خود اور پھر رہزنوں سے مقابلے کا واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ مستعین پر ترک جس حد تک حاوی تھے اُس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ وہ احمد بن طولون کو علانیہ صلہ بھی نہ دے سکا، بلکہ خفیہ طور پر ایک ہزار دینار اُس کے پاس بھجوائے، اور کہلایا کہ "اگر مجھے (ترکوں کا) خوف نہ ہوتا تو میں تجھ کو اپنا مقرب بنا لیتا۔" اس پر بھی دوسرے ترکوں کے ساتھ جب کبھی احمد بن طولون خلیفہ کی خدمت میں حاضر

---

[۱۰] مقریزی (ج ۱۔ ص ۳۱۴) نے احمد بن طولون کا متعدد مرتبہ طرسوس جانا بیان کیا ہے، لیکن ابن تغری بردی (ج ۲۔ ص ۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ ثغور الشام کا والی ہونے سے قبل وہ صرف ایک مرتبہ وہاں گیا تھا۔

ہوتا تو خلیفہ اشارے سے اس کے سلام کا جواب دیتا۔ دیگر احسانات کے علاوہ مستعین نے اُسے متاس یا میاس نام ایک کنیز عطا کی، جس کے بطن سے نصف محرم ۲۵۰ھ کو اُس کا بیٹا خمارویہ پیدا ہوا۔ ۲۵۱ھ میں مستعین اور ترک امراء کی ان بن ہوئی اور اسے خلافت سے دست بردار اور واسط جلاوطن ہونا پڑا۔ خود مستعین کے کہنے سے اس سفر میں احمد بن طولون کو اس کے ساتھ کیا گیا۔ احمد نے بھی مستعین سے نیک سلوک کیا، اور سیر و شکار کے لئے اُسے آزاد چھوڑ دیا۔ اس خیال سے کہ اُس پر اچانک حملہ نہ ہو، اُس نے اپنے کاتب احمد بن محمد الواسطی کو اس کے ساتھ متعین کیا۔ اُدھر معتز کے خلیفہ ہونے پر اُس کی ماں قبیحہ نے احمد بن طولون کو لکھا کہ اگر وہ مستعین کو قتل کر دے تو اُسے واسط کا حاکم مقرر کر دیا جائے گا[11]۔ مگر اُس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، اور دار الخلافے کے ترکوں کو لکھا کہ وہ ایسے شخص کو قتل نہیں کر سکتا جس کے ہاتھ پر ایک وقت بیعت کر چکا ہے۔ اس دیانتداری کی وجہ سے احمد بن طولون ترکوں کی نظروں میں اور بھی معزز ہو گیا۔ ان لوگوں نے مستعین کے قتل کے لئے سعید الحاجب کو مقرر کیا، اور احمد بن طولون کو حکم دیا کہ مخلوع خلیفہ کو اس کے حوالے کر دے۔ سعید نے اُسے قتل کیا، اور احمد بن طولون اُسے دفن کر کے سامرا واپس آ گیا۔

معتز کے خلیفہ ہونے کے وقت ترکوں کا زعیم احمد بن طولون کا ماموں[12] بایکباک تھا۔ اسی کو خلیفہ نے مصر کا حاکم مقرر کیا۔ بایکباک کو ایسے شخص کی تلاش ہوئی جسے وہ بطور نائب مصر بھیجے۔ احمد بن طولون کی دیانتداری اور دینداری پہلے ہی مشہور ہو چکی تھی۔ لوگوں کی سفارش پر بایکباک نے اسی کو مصر کا والی مقرر کر دیا۔ اسحاق بن یوسف اور احمد بن محمد الواسطی اور ایک جیش کے ساتھ وہ ۲۳ رمضان ۲۵۴ھ کو فسطاط پہنچا۔ اگر لین پول[13] کا بیان صحیح ہے تو احمد بن طولون اُس وقت

---

[11] مقریزی (ج ۱ ص ۳۱۴) نے قبیحہ کا اور ابن تغری بردی (ج ۲ ص ۱۷۷) نے خود معتز کا نام لکھا ہے۔ مقریزی میں قبیحہ کے بجائے فتیحہ طباعت کی غلطی ہے۔

[12] ابن خلدون ج ۴ ص ۲۹۵، ۲۹۸۔

[13] تاریخ مصر بہ عہد وسطیٰ (انگریزی) ص ۶۱۔

خوش حال نہ تھا، اور سفر خرچ کے لئے ایک ہمدرد نے دس ہزار دینار اُسے دئے تھے[14]۔ اس وقت احمد بن طولون صرف قصبہ پر حاکم مقرر ہوا تھا، اور اس کے باہر کے اعمال، مثلاً اسکندریہ وغیرہ اُس کی حکومت سے خارج تھے[15]۔

ہم گذشتہ مضمون[16] میں دیکھ چکے ہیں کہ مصر کی حکومت بالعموم دو حصوں میں منقسم تھی: معونہ یا صلاۃ اور خراج۔ دونوں عہدوں پر الگ الگ افسر مقرر ہوتے تھے، اور یہ دونوں براہ راست خلیفہ کو جواب دہ تھے۔ شاذ ہی ایسا ہوتا تھا کہ معونہ اور خراج پر ایک شخص مقرر کر دیا جائے چنانچہ جب اُشناس کو مصر کا والی مقرر کیا گیا ہے تو بھی معونہ یا صلاۃ کا حاکم تھا۔ صاحب الخراج کا نصب و عزل اس کے بعد بھی خلیفہ ہی کے ہاتھ میں رہا وہ جو چاہتا تھا مقرر کرتا تھا[17]۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اشتراک عمل جب ہی ہو سکتا تھا کہ دونوں افسر ہم خیال ہوں۔ ورنہ کش مکش یقینی امر تھا۔ برائے نام والی علی الصلوٰۃ کا درجہ بلند تھا لیکن اگر صاحب الخراج بلند ہمت ہوا اور اپنے تمام اختیارات کو کام میں لانا جانتا ہو تو ظاہر ہے کہ والی کے مقابلے میں اُس کا رسوخ اور اثر کہیں زیادہ ہو گا۔ اس کی بہترین مثال عہد اموی میں عبید اللہ بن الحبحاب اور والیان مصر کی ہے۔ جب احمد بن طولون اعمال المعاون کا والی مقرر ہو کر فسطاط آیا ہے تو یہاں کا صاحب الخراج احمد بن المدبر تھا۔ یہ شخص چالاک اور ذہین کاتب تھا، اور ناممکن تھا کہ اُس میں اور احمد بن طولون جیسے بلند ہمت

---

[14] احمد بن طولون کے یہ ابتدائی حالات مقریزی (ج ۱۔ ص ۳۱۳، ۳۱۴) ابن خلدون (ج ۴۔ ص ۲۹۵، ۲۹۸) اور ابن تغری بردی (ج ۲۔ ص ۲۔ ۷) سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ دیکھو ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۶۱ +

[15] مقریزی ج ۱۔ ص ۳۱۴ + "قصبہ" سے بالعموم صدر مقام مراد لیا جاتا ہے لیکن جیسا کہ بکر (ص ۱۶۰) نے لکھا ہے، یہاں قصبہ سے مراد ساحل اور سرحدی علاقے چھوڑ کر اصل سرزمین مصر سمجھنا چاہئے +

[16] "عرب مصر میں" رسالہ سیاست (حیدر آباد دکن) جولائی ۱۹۴۱ء +

[17] ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۶۶۰، ۶۶۱ +

بالغ نظر والی میں اشتراک عمل ہو سکے۔ چنانچہ ان دونوں میں فوراً ہی سخت کش مکش شروع ہو گئی، اور در حقیقت اُس وقت تک ختم نہ ہوئی جب تک کہ ۲۷۰ھ میں دونوں کا انتقال نہیں ہو گیا۔ لیکن چونکہ اس کشمکش کے حالات ہم مفصل طور پر ایک علٰحدہ مضمون[۱۸] میں بیان کر چکے ہیں، اس لئے یہاں ان کا اعادہ غیر ضروری ہے۔

مصر آنے کے بعد احمد بن طولون کو اول تو احمد بن المدبر سے عہدہ برا ہونا پڑا، اور دوسرے جب وہ وہاں پہنچا ہے تو ملک میں پوری طرح امن و امان کا دور دورہ نہ تھا۔ ۲۵۲ھ میں جابر بن الولید المُدلجی نے ایک خطرناک بغاوت کی ابتداء کی تھی، جس میں بنو مُدلج کے علاوہ موالی بھی شریک ہو گئے تھے۔ اس باغی کے خلاف والئی مصر نے جتنی فوجیں بھیجی تھیں سب کو شکست ہوئی تھی، اور مدلجی کو برابر قوت حاصل ہوتی جا رہی تھی۔ اس شورش میں ایک علوی عبد اللہ بن احمد بن محمد المعروف با بن الارقط کے شریک ہو جانے سے اور بھی شدت پیدا ہو گئی تھی۔ شر و فساد کا سلسلہ ماہ رجب ۲۵۴ھ تک جاری رہا، اور احمد بن طولون کے مصر آنے سے صرف دو مہینے قبل امن قائم ہوا تھا۔[۱۹]

لیکن یہ امن بھی محض ظاہری تھا۔ شورش کی چنگاریاں ابھی باقی تھیں۔ ۲۵۴ھ میں بغاوت کی آگ پھر بھڑک اُٹھی۔ باغی ایک علوی احمد بن ابراہیم بن عبد اللہ المعروف بہ بغا الاکبر تھا۔ احمد بن طولون کے آنے سے قبل اس کا پیشرو اَزجُور اس شورش کو فرو کر چکا تھا، اور بغا الاکبر کا بھی انتقال ہو گیا تھا۔[۲۰] یہ فتنہ ابھی پوری طرح فرو ہوا ہی تھا کہ جمادی الاولیٰ ۲۵۵ھ میں احمد بن محمد بن عبد اللہ بن طباطبا المعروف بہ بغا الاصغر نے اسکندریہ اور برقہ کے درمیان کنائس کے مقام پر علم بغاوت بلند کیا، اور جابر بن الولید المُدلجی کا چچا زاد بھائی بھی اُس سے مل گیا۔ وہ مصر صعید کی طرف چلا، جہاں اُس نے احمد بن طولون کی فوجوں کے مقابلے میں شکست کھائی اور قتل ہوا۔

---

[۱۸] "احمد بن المدبر"۔ رسالہ سیاست (حیدر آباد دکن) اکتوبر ۱۹۴۱ء +

[۱۹] الکندی ص ۲۰۵ – ۲۱۰ + مقریزی ج ۲ – ص ۳۳۹ + 　[۲۰] الکندی ص ۲۱۲ + مقریزی ج ۲ – ص ۳۳۹ +

شعبان ۲۵۵ھ میں اُس کا سر فسطاط لایا گیا۔[21] ابھی یہ بدامنی ختم ہی ہوئی تھی کہ ایک اور خطرناک فتنہ اٹھا۔ اس کا سرغنہ بھی ایک علوی ابراہیم بن محمد بن یحییٰ المعروف بابن صوفی تھا۔ اس فساد کا آغاز ۲۵۳ھ میں ہوا تھا۔ ذی القعدہ ۲۵۵ھ میں صورت حال اس قدر نازک ہوگئی تھی کہ ابن الصوفی نے إسنا پر قبضہ کرکے شہر کو لوٹا اور باشندوں کو قتل کیا۔ ابتدا میں احمد بن طولون کی فوجوں کو کامیابی نہیں ہوئی۔ لیکن انجام کار ۳ ربیع الاول ۲۵۶ھ میں أخمیم کے مقام پر ابن الصوفی نے شکست کھائی، مگر گرفتار نہ ہوسکا اور تنّیس میں پناہ گزیں ہوا۔ محرم ۲۵۹ھ میں اُس نے اشمونین میں دوبارہ سر اٹھایا۔ اس دوران میں اس وجہ سے معاملات اور بھی پیچیدہ ہوگئے کہ حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ایک شخص ابو عبداللہ (یا ابو عبدالرحمٰن) العمری نے اُسوان[22] میں فوجیں جمع کیں۔ ابن الصوفی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اسوان چلا گیا، مگر العمری کے مقابلے میں شکست کھائی اور بھاگ کر اَسوان میں پناہ لی۔ یہاں پھر اس نے فساد برپا کیا، اور اہل اَسوان کے تین لاکھ کھجور کے درخت کاٹ ڈالے۔ اب احمد بن طولون نے ایک تازہ دم فوج اُس کے خلاف بھیجی۔ ابن الصوفی جابجا بھاگا پھرا، اور بالآخر عیذاب کے بندرگاہ سے مکّہ چلا گیا۔ لیکن حاکم مکّہ نے اُسے گرفتار کرکے احمد بن طولون کے پاس بھیج دیا۔ پہلے تو احمد نے اُسے قید میں رکھا اور پھر آزاد کردیا۔ اس کے بعد ابن الصوفی مدینہ چلا گیا، اور آخر وہیں اس کا انتقال ہوگیا۔[23]

غالباً انہیں شورشوں اور بغاوتوں سے متاثر ہوکر جمادی الآخر ۲۵۸ھ میں احمد بن طولون نے

---

[21] الکندی ص ۲۱۲ + مقریزی ج ۲۔ ص ۳۲۹ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۷۔ حوادث ۲۵۵ھ +

[22] اسوان جنوبی سرحد پہ نوبہ کی سرزمین کے قریب مسلمانوں کا آخری شہر تھا۔ یہاں کی کھجوریں مشہور تھیں، بلکہ یہی کھجوریں اہل اسوان کا سب سے بڑا ذریعہ معاش تھیں۔ مقریزی ج ۱۔ ص ۱۹۸ الخ + یاقوت۔ معجم البلدان تحت اَسوان +

[23] الکندی ص ۲۱۳، ۲۱۴ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۸۶، ۸۷ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۷ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۱۹ ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۲ +

تمام طالبیین کو مصر سے خارج کر کے مدینہ بھیج دیا تھا۔ اتفاق سے عباس بن علی کی اولاد میں سے ایک شخص رہ گیا تھا، اور اس کوشش میں تھا کہ مغرب چلا جائے، جہاں اُس وقت ادارسہ حکمراں تھے، لیکن ماخوذ ہوا۔ احمد بن طولون نے اُسے ایک سو پچاس چابکوں کی سزا دی اور فسطاط میں تشہیر کرایا[24]۔ غالباً اس کے بعد وہ بھی مدینہ بھیج دیا گیا تھا۔ مصر میں یہ طرزِ عمل نیا نہیں تھا۔ شروع ہی سے بنو عباس یہ چاہتے تھے کہ مصر میں بنو علی کے قدم جمنے نہ پائیں۔ چنانچہ مقریزی[25] نے یہ تمام واقعات یک جا جمع کر دیے ہیں، اور الکندی[26] نے حسب موقع انھیں بیان کیا ہے۔ لازمی طور پر اس عمل میں شدت اُس وقت پیدا ہوئی تھی جب ہارون الرشید کے زمانے میں ادارسہ کی حکومت مغرب میں قائم ہوگئی۔ ابن طولون سے ذرا ہی قبل خلیفہ منتصر کے حکم سے اُن پر سختیاں کی گئی تھیں، اور پھر ۲۵۰ھ میں اُن کا اخراج عمل میں آیا تھا۔

یہ تھیں احمد بن طولون کے ابتدائی عہد کی شورشیں جن کی وجہ سے وہ شروع میں پریشان رہا۔ ان کے نتائج و عواقب پر غور کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم دربارِ خلافت کے حالات پر توجہ کریں۔ ۲۵۵ھ میں خلیفہ معتز کو خلع پر مجبور کیا گیا، اور مہتدی خلیفہ ہوا۔ ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ۲۵۶ھ میں مہتدی اور ترک امرا میں جھگڑے شروع ہوگئے۔ اس شر و فساد میں بایکباک پیش پیش تھا۔ عین خلع سے قبل مہتدی کے حکم سے اُسے گرفتار کیا گیا، اور اُسے قتل کر کے اُس کا سر اس کے ساتھیوں کے سامنے پھینک[27] دیا گیا۔ اب معتمد خلیفہ ہوا، جس نے احمد بن طولون کے خسر یارجوخ کو مصر کا اور محمد بن ہرثمہ بن اعین کو برقہ کا والی مقرر کیا۔ یہ ۲۵۶ھ کا واقعہ ہے۔ یارجوخ نے نہ صرف احمد بن طولون کو مصر پر بحال رکھا، بلکہ آزادیٔ عمل کی عام اجازت دے دی[28]۔ مصر کے خطبوں میں بھی خلیفہ کے بعد اب یارجوخ کا نام لیا جانے لگا، اور اس کے لئے دعا بھی ہونے لگی۔ رمضان ۲۵۶ھ میں

---

[24] یعقوبی۔ ج ۲۔ ص ۶۲۳ [25] خطط ج ۲۔ ص ۳۳۸، ۳۳۹

[26] کتاب الولاۃ ص ۱۹۸، ۲۰۳، ۲۰۴ + [27] طبری ج ۱۱۔ ص ۲۶۰ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۷۵ +

[28] یعقوبی ج ۲۔ ص ۶۲۱ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۸۲ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۱۴ + مقریزی میں ماجور کے بجائے یارجوخ ہونا چاہیے +

یارجوخ کا انتقال ہوگیا[۲۹] لیکن مرنے سے قبل وہ احمد بن طولون کو تصبہ کے علاوہ مصر صعید اور اسکندریہ کا حاکم بھی مقرر کرچکا تھا۔ اسی بنا پر طغلج کو بطور نائب فسطاط میں چھوڑ کر ۸ رمضان ۲۵۸ھ کو احمد بن طولون اسکندریہ گیا، اور اسحاق بن دینار سے وہاں کا جائزہ لیا۔ دوسرے مرتبہ شعبان ۲۵۹ھ میں وہ پھر اسکندریہ گیا، اور اپنے بیٹے عباس کو فسطاط میں چھوڑ گیا۔ ڈیڑھ مہینے بعد وہ فسطاط واپس آگیا۔[۳۰] یارجوخ کے مصر پر والی مقرر ہونے سے احمد بن طولون کو یہ فائدہ پہنچا تھا کہ مصر صعید اور اسکندریہ بھی اس کے زیر اقتدار آگئے تھے، اور اس کی موت سے اُسے یہ فائدہ ہوا کہ اس سے بازپرس کرنے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ اس طرح ۲۵۸ھ میں وہ مصر کا مستقل والی ہوگیا۔[۳۱]

اس دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس کا اثر احمد بن طولون کے عروج پر بہت گہرا پڑا۔ جب معتز خلیفہ ہوا ہے تو بعض عمال ایسے تھے جنھوں نے اُس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کردیا تھا۔ انھیں میں ایک عیسیٰ بن شیخ بن السلیل الشیبانی عامل فلسطین و اردن بھی تھا لیکن بہت جلد خلیفہ کی فرستادہ فوجوں سے شکست کھا کر ابن الشیخ فلسطین سے مصر جانے پر مجبور ہوا تھا اور وہاں پہونچ کر اس نے اور یزید بن عبد اللہ عامل مصر نے معتز کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔[۳۲] چنانچہ ہمیں معلوم ہے کہ ۲۵۳ھ میں ابن الشیخ مصر کا مال کثیر لے کر خلیفہ معتز کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور حضرت علی، جعفر اور عقیل کی اولاد میں سے چھبتر آدمی بھی اس کے ساتھ تھے، جنھوں نے حکومت کی بلا اجازت حجاز سے بھاگ کر مصر میں پناہ لی تھی۔ حجاز سے بھاگنے کی وجہ یہ تھی کہ علویوں نے وہاں فتنہ و فساد پھیلا رکھا تھا۔ خلیفہ نے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے تکفیل کے بعد ان لوگوں کو چھوڑ دیا تھا کہ وہ حجاز واپس چلے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی ابن الشیخ کو دوبارہ فلسطین کا حاکم مقرر کردیا گیا۔[۳۳] والی ہوتے ہی

---

[۲۹] ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۸۵ +

[۳۰] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۲۹۸ + الکندی ۲۱۶ +

[۳۱] ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۸۵ +

[۳۲] یعقوبی ج ۲۔ ص ۶۱۱

[۳۳] مروج الذہب ج ۲۔ ص ۳۰۴ +

ابن الشیخ پھر مخاصمت پر آمادہ ہوا۔ یہ ۲۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ اُسے مزید مدد اس طرح ملی کہ مصر کے صاحب الخراج احمد بن المدبر نے سات لاکھ پچاس ہزار دینار دارالخلافہ بھیجے تھے۔ اس رقم پر ابن الشیخ نے راستہ میں قبضہ کر لیا، عربوں کی فوج جمع کی، قبیلۂ کلب سے مصاہرت کے تعلقات پیدا کر کے اپنی جمعیت کو اور قوی کیا، اور دمشق کے باہر ایک قلعہ تعمیر کرایا جس کا نام الحسامی رکھا[۳۴]۔ معتز کا زمانہ اس طرح گذر گیا، اور حکومت ابن الشیخ کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ مہتدی نے خلیفہ ہوتے ہی ۲۵۶ھ میں تمام متحرکین و متغلبین کو ایک عام امان دی، اور ابن الشیخ کو بھی لکھا کہ مصر وغیرہ کا جو مال اُس نے بالجبر حاصل کیا ہے اُسے واپس کر دے۔ مگر ابن الشیخ مانع ہوا، اور بالآخر مہتدی نے مجبور ہو کر احمد بن طولون کو اُس کی سرکوبی کے لئے فوج میں اضافے کا حکم دیا، اور ابن الشیخ کے اعمال بھی اُس کے سپرد کر دیے[۳۵]۔

احمد بن طولون نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سرخ و سفید غلاموں اور حبشیوں (سودان) کی ایک بہت بڑی فوج جمع کر لی[۳۶]۔ قلقشندی[۳۷] لکھتا ہے کہ احمد بن طولون پہلا شخص تھا جس نے ترک مملوکوں کو مصر میں بلایا، اور انھیں فوج میں شریک کیا۔ صفر ۲۵۶ھ میں احمد بن طولون نے فلسطین جانے کا ارادہ کیا، لیکن پھر سوچا کہ چلنے سے پہلے ابن الشیخ سے خط و کتابت کر کے اُسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کی جائے۔ اُس نے ایک خط ابن الشیخ کو لکھا اور ایک وفد کے ہاتھ، جس میں مصر کے مشہور قاضی ابوبکرہ بکار بن قتیبہ بھی شریک تھے، اُس کے پاس بھیجا۔ مگر یہ سعی نامشکور ہوئی، اور انجام کار

---

[۳۴] یعقوبی ج ۲ ص ۶۱۳، ۶۱۴۔

[۳۵] یعقوبی ج ۲ ص ۶۱۷، ۶۲۰۔ ابن خلدون ج ۴ ص ۲۹۸۔ الکندی ص ۲۱۴، ۲۱۵۔ مقریزی ج ۱ ص ۳۱۵۔

[۳۶] محمد کرد علی (خطط الشام ج ۱ ص ۲۰۱) نے احمد بن طولون کی اس فوجی تیاری کا ذکر کیا ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً یہ باغی جس کے خلاف یہ تیاری کی گئی تھی، سیما الطویل تھا۔ حالانکہ سیما الطویل کا واقعہ بہت بعد کا ہے۔ تعجب ہے کہ مصنف شام کی تاریخ لکھ رہے ہیں اور ابن الشیخ کے واقعات سے نہ صرف بے خبر ہیں بلکہ اُسے سیما الطویل سے خلط ملط کر رہے ہیں۔ اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ بیانات کی وجہ سے اس قابل قدر کتاب کی قدر و قیمت لازماً گھٹ جاتی ہے، اور مصنف کا ہر بیان مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔ [۳۷] صبح الاعشیٰ ج ۳ ص ۴۲۸۔

وہ جمعرات کے دن ۶ جمادی الآخر ۲۵۶ھ کو اپنے بھائی موسیٰ کو بطور نائب مصر میں چھوڑ کر فلسطین روانہ ہوا۔ مگر عریش پہونچا تھا کہ عراق سے خلیفہ کا ایک فرمان (کتاب) اُسے ملا کہ وہ واپس چلا جائے اور اماجور (یا ماجور) کو اُس کی جگہ ابن الشیخ کی سرکوبی کے لئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ شعبان ۲۵۶ھ میں احمد بن طولون، فسطاط واپس پہونچا۔ اعمال شام بجائے اُس کے اماجور کے حوالے کر دیے گئے۔[۳۸]

ابن الشیخ کا انجام یہ ہوا کہ معتمد نے خلیفہ ہونے کے بعد حسین المعروف بعرق الموت کے ہاتھ ایک امان نامہ اُس کے پاس بھیجا، جس میں اور اُس کی اولاد کو امان دی گئی تھی۔ مال کے بابت کوئی اعتراض نہ کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا، اور اُس کے تمام قصور معاف کرکے اُسے ارمینیہ کا والی مقرر کیا گیا تھا۔ ابن الشیخ نے اب اطاعت قبول کر لی، اور اپنے اعمال اماجور الترکی کے حوالے کرکے جمادی الآخر ۲۵۷ھ میں ارمینیہ چلا گیا، مگر مال کا ایک حبہ بھی واپس نہیں کیا۔[۳۹]

ابن الشیخ کے خلاف اس مہم کے بعد احمد بن طولون اور اس کے بھائی موسیٰ میں اس وجہ سے منافرت پیدا ہوئی کہ موسیٰ سمجھتا تھا کہ اُسے پورا حق نہیں ملا۔ احمد بن طولون نے بالآخر موسیٰ کو خارج البلد کر دیا، اور اُس کے کاتب اسحاق بن یوسف کو اس جرم میں گرفتار کرایا کہ اُس نے موسیٰ کو اُس کے اسرار سے واقف کر دیا تھا۔ موسیٰ حج کے ارادے سے روانہ ہوا، اور وہاں سے عراق چلا گیا، جہاں اُس نے اپنے بھائی کی اتنی تعریفیں کیں کہ الموفق چوکنا ہو گیا۔[۴۰] غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ

---

۳۸ الکندی ص ۲۱۴، ۲۱۵ + ابن الدایہ (بیکر ص ۱۶۰) نے اس مہم کی تاریخ ۲۵۵ھ بتائی ہے، اور بیکر ہی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ گو مہم ۲۵۵ھ میں شروع ہوئی تھی، لیکن ممکن ہے کہ فوج کی تیاری میں وقت صرف ہوا ہو، اور احمد بن طولون ۲۵۶ھ میں شام کی طرف روانہ ہو سکا ہو۔ لیکن الکندی کا بیان اس قدر واضح ہے کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ مہم کا آغاز اور انجام دونوں ۲۵۶ھ کے واقعات ہیں۔ اماجور کا اس مہم پر روانہ ہونا ضرور ۲۵۷ھ کا واقعہ ہے۔ دیکھو ابن خلدون ج ۴۔ ص ۲۹۸ +

۳۹ یعقوبی ج ۲ ص ۶۲۱

۴۰ ابن خلدون ج ۴۔ ص ۲۹۹ + یاد ہو گا کہ یوسف بن اسحاق اور محمد بن احمد الواسطی دونوں کاتب احمد بن طولون کے ساتھ عراق سے مصر آئے تھے۔

مرکزِ خلافت میں احمد بن طولون کی طرف سے حقیقی اندیشہ کا احساس ہوا۔

احمد بن طولون اس وقت تک رفتہ رفتہ فسطاط اور قصبہ کے علاوہ مصر صعید، اسکندریہ اور برقہ کا حاکم مقرر ہو چکا تھا، اور شام کی سرحد تک اُس کا دور دورہ تھا۔ یہ محض اتفاقی امر تھا کہ اس وقت شام اُس کے ہاتھ نہ آیا لیکن بڑی بات یہ ہوئی کہ ایک باقاعدہ تربیت یافتہ فوج اُس کے ہاتھ آگئی، جس کی تیاری کے لئے، حالات کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے، خلیفہ معتمد نے اپنے صاحب الخراج کو حکم دیا تھا کہ تمام اخراجات محاصل سے ادا کئے جائیں[۱]۔ اس طرح یہ فوج اب صاحب الخراج کے دست نگر ہونے کے بجائے مکمل طور پر اُس کے زیر نگرانی تھی۔ احمد بن طولون نے اپنی عظمت وسطوت کے مظاہرے میں بھی دیر نہیں کی۔ ۲۵۶ھ ہی میں اُس نے ایک ترک قائد ماطعان کے ماتحت ہزار سواروں کا ایک دستہ مصری حاجیوں کے ساتھ حجاز بھیجا، اور حکم دیا کہ وہ مسلح ہو کر فوجی ترتیب کے ساتھ مدینہ اور مکہ میں داخل ہوں، اور عرفات میں بھی اسی طرح جائیں۔ ماطعان نے ان ہدایات پر عمل کیا، اور عرفات میں اسلحہ، فوجی باجے (طبول) اور فوجی جھنڈوں کے ساتھ آیا[۲]۔

اب احمد بن طولون کی ترقی میں دو شخص حائل تھے: احمد بن المدبر صاحب الخراج مصر اور اماجور والیٔ شام وفلسطین؛ اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ دونوں ہر طرح اُسے نقصان پہونچانے کی کوشش کر رہے تھے۔ احمد بن المدبر نے اُس کے خلاف جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ ہم پہلے ہی ایک مضمون میں بیان کر چکے ہیں۔ مگر اماجور بھی اُس کی طرف سے غافل نہ تھا۔ گو وہ گزشتہ واقعات میں کامیاب ہوا تھا، اور اب شام وفلسطین پر قابض ومتصرف تھا، لیکن احمد بن طولون کا مصر میں رہنا ہی اس کے لئے خطرے کا باعث تھا۔ اس لئے اماجور نے دربارِ خلافت کو اطلاع دی کہ احمد بن طولون کے پاس ابن الشیخ سے بھی زیادہ زبردست فوج موجود ہے، اور وہ کسی وقت شام پر حملہ کر سکتا ہے۔ اس خبر سے دربارِ خلافت میں گھبراہٹ پھیل گئی، اور ابو احمد الموفق نے فوراً حکم دیا کہ مصر میں

---

[۱] مقریزی ج ۱۔ ص ۳۱۵ +
[۲] یعقوبی ج ۲۔ ص ۶۲۲ +

کسی کو بطور نائب چھوڑ کر احمد بن طولون بذاتِ خود امورِ خلافت پر غور کرنے کے لئے عراق آئے۔ احمد بن طولون کو اس میں مکر و فریب کا خوف ہوا، کیوں کہ اُس کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، اور ہر طرح کی خبریں اُسے ملتی رہتی تھیں۔ اُس کے اصحاب الاخبار نے وزیر سے ملاطفت و مدارات کا طرزِ عمل اختیار کیا تھا اور احمد بن المدبر اور شُقیر سے جو شکایتی خطوط دار الخلافہ بھیجے جاتے تھے وہ سب احمد بن طولون کو مل جاتے تھے۔ ان تمام باتوں سے باخبر ہو کر احمد بن طولون خود تو اطمینان سے فسطاط میں بیٹھا رہا اور اپنے کاتب احمد بن محمد الواسطی کو بڑے قیمتی تحائف دے کر وزیر اور یار جوخ کے پاس بھیجا۔ احمد بن محمد الواسطی نے دار الخلافہ میں ایسے جوڑ توڑ کئے کہ نہ صرف احمد بن طولون کی سامرا میں حاضری معاف کر دی گئی، بلکہ اُس کے بیوی بچوں کو بھی مصر جانے کی اجازت دیدی گئی۔[۱۴۳] چنانچہ ۲۵۷ھ میں احمد بن طولون کے دونوں بیٹے اپنے چچا موسیٰ کے ساتھ عراق سے مکہ ہوتے ہوئے مصر پہونچ گئے۔[۱۴۴] یہ درحقیقت احمد بن طولون کے مقابلے میں الموفق کی پہلی شکست تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن المدبر بھی اماجور کے ساتھ احمد بن طولون کے خلاف اس سازش میں شریک تھا۔ کیونکہ جوں ہی اُسے دار الخلافہ کے اس فیصلے کی خبر ملی اُس نے کوشش کر کے اپنا تبادلہ شام کرالیا۔ اب وہ فلسطین، اردن اور دمشق کا صاحب الخراج مقرر ہوا، اور مصر میں اُس کی جگہ ابو ایوب احمد بن محمد بن اخت الوزیر نے لی۔ یہ ۲۵۸ھ کا واقعہ ہے۔ نئے صاحب الخراج نے یہ تجویز کی کہ حسبِ دستورِ سابق تمام محاصل دربارِ خلافت میں بھیجے جائیں لیکن ادھر یہ حالت تھی کہ خلیفہ معتمد کو عیش و عشرت کی ضروریات کے لئے ہر دم رقم کی ضرورت رہتی تھی، اور وہ احمد بن طولون سے مطالبہ کرتا رہتا تھا کہ یہ ضروریات پوری کی جائیں۔ آخر اسی زمانے میں جب خلیفہ نے رقم طلب کی تو احمد بن طولون نے لکھا کہ جب تک خراج کے معاملات کسی دوسرے

---

[۱۴۳] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۲۹۹ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۱۶ +

[۱۴۴] مقریزی ج ۱۔ ص ۳۱۹ + الکندی ص ۲۱۵ + الکندی کے مطابق یہ ۲۵۶ھ کا واقعہ ہے۔

شخص کے ہاتھ میں ہیں وہ خلیفہ کی مدد کرنے سے بالکل قاصر ہے۔ اس پر خلیفہ نے اپنا خادم نفیس[۴۵] مصر بھیجا، اور مصر کا خراج اور ثغور الشام کی ولایت احمد بن طولون کے سپرد کر دی۔ اب احمد بن طولون نے ابوایوب احمد بن محمد ابن اخت الوزیر ہی کو اپنی طرف سے مصر کا صاحب الخراج مقرر کیا، اور طخشی بن تامرد کو ثغور الشام کا حاکم بنایا۔ طخشی جمادی الاول ۲۶۴ھ میں ثغور گیا۔[۴۶] اس کے علاوہ احمد بن طولون کو ایک اور حکم ملا کہ فوج کے اخراجات وضع کرنے کے بعد واجب الادا رقم کی پابجائی کی جائے اور حسب سابق رقم اور فروش خلیفہ کے پاس بھیجے جائیں۔ ۲۵۸ھ میں احمد بن طولون کا خسر یارجوخ الترکی سامرا میں قتل کیا گیا۔[۴۷] اب احمد بالکل آزاد تھا نہ صرف یہ کہ کوئی بازپرس کرنے والا باقی نہیں رہا تھا، بلکہ ایک فوج کا مالک مطلق ہونے کے علاوہ وہ ملک کے مالیات کا بھی بلاشرکت غیرے مالک و مختار تھا۔ یہ سب ۲۵۸ھ کے واقعات ہیں۔ اس لئے یہ سال احمد بن طولون کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے ایک سال قبل ۲۵۷ھ میں ہی وہ تمام جند، شاکریہ، موالی اور عوام سے اپنے لئے بیعت لے چکا تھا کہ وہ سب اس کے دشمن کے دشمن اور دوست کے

---

[۴۵] یا "نسیم"۔ دیکھو ابن خلدون ج ۴ ص ۲۹۹ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۷ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۱۹ +

[۴۶] ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۷ + الکندی (ص ۲۱۷) نے ابوایوب احمد بن محمد بن شجاع لکھا ہے اور طخشی کے باپ کا نام بجائے تامرد کے بلبرد لکھا ہے، اور تفصیل یوں بیان کی ہے کہ احمد بن طولون کے تقرر کے بعد جب اہل الثغور نے اپنے والیوں سے بیزاری ظاہر کی تو اس نے پہلے اپنے بھائی موسیٰ کو جو طرسوس میں مقیم تھا وہاں کا والی مقرر کیا۔ اس کے انکار کرنے پر ابراہیم بن عبدالوہاب کو مقرر کرنا چاہا۔ جب اس نے بھی انکار کیا تو آخر طخشی کو وہاں بھیجا، طخشی کا ۲۶۴ھ میں ثغور الشام کی حکومت کا جائزہ لینا یہ ثابت کرتا ہے کہ ۲۵۸ھ سے ۲۶۴ھ تک یہ تمام تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ جن کی تفصیل ابن تغری بردی نے نہیں کی، اور بالآخر طخشی کو وہاں کا مستقل حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ طخشی ۲۵۸ھ کے بجائے ۲۶۴ھ میں ثغور الشام آیا تھا۔

[۴۷] یعقوبی ج ۲۔ ص ۶۲۴ +

دوست ہوں گے، اور جس کے خلاف وہ لڑے گا وہ بھی اُسی کے ساتھ ہو کر لڑینگے[۴۸]۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ احمد بن طولون کے تمام تعلقات خلافت سے منقطع ہو چکے ہیں، اور وہ خود خلافت کا دعویدار ہے، جیسا کہ بعض مصنفوں نے غلطی سے سمجھ لیا ہے[۴۹]۔ کیونکہ اول تو کسی مستند مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا، اور دوسرے اُس کی موت تک خود اس کے افعال و کردار سے کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اُس نے کبھی ایسا ارادہ بھی کیا تھا۔

(۳)

لیکن اسی دوران میں مرکزِ خلافت میں ایسے واقعات پیش آ رہے تھے کہ جن کا بڑا گہرا اثر احمد بن طولون کی زندگی پر پڑنے والا تھا۔ الموفق کا ذکر ہم اس سے قبل کر چکے ہیں۔ خلافت کے معاملات میں اُس کا دخیل ہونا احمد بن طولون کے لئے بڑی پیچیدگیوں کا باعث ہوا۔ ۲۵۶ھ میں خلیفہ ہونے کے بعد ہی معتمد نے بھی مہتدی کی طرح امنِ عامہ کا اعلان کیا تھا، اور اپنے تمام اہلِ خاندان کو جنہیں مہتدی نے مکہ جلاوطن کر دیا تھا، سامرا واپس بلا لیا تھا۔ ان لوگوں میں جو اس طرح دارالخلافہ

---

[۴۸] یعقوبی ج ۲۔ ص ۶۲۴ +

[۴۹] مثلاً محمد کرد علی: خطط الشام ج ۱۔ ص ۲۰۲: "ادعی الخلافة لنفسه بمصر وانفرد بخراجها۔ فحاربه الخلیفة المعتضد باللہ اشد محاربة فلم یقدر علیه"۔ انفرد بخراجها کی کیفیت اوپر گزر چکی۔ احمد بن طولون کی تاریخ وفات خود محمد کرد علی کے مطابق بھی ۲۷۰ھ ہے، اور خلیفہ معتضد کا عہد ۲۷۹ھ ہے۔ پھر ان دونوں میں یہ جنگ نہ معلوم کیسے ہوئی؟ واقعہ یہ ہے کہ اس مصنف نے احمد بن طولون کی تاریخ لکھنے میں سخت بے پروائی برتی ہے، اور اُسے اور اُس کے بیٹے خمارویہ کو بری طرح خلط ملط کیا ہے۔ چنانچہ اسی صفحہ پر وہ لکھتے ہیں کہ: طلب الخلیفة الی ابن طولون ان یزوجه ابنة ابنه خمارویه واسمها قطر الندی۔ یہاں بھی خلیفہ سے مراد معتضد ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام بیان محض لغو ہے۔ اسی قسم کے اور غلطیوں کے لئے دیکھو خطط الشام ج ۱۔ ص ۲۰۳ +

واپس آئے معتمد کا بھائی ابو احمد طلحہ الموفق بھی تھا۔ جو چہار شنبہ کے دن ۱۰ ذی الحجہ ۲۵۶ھ کو سامرا پہنچا[۵]۔ معتمد بذات خود ناکارہ محض شخص تھا۔ اُس کی زندگی کا مقصد صرف لہو ولعب اور شراب وکباب تھا، اور دنیا اور مافیہا سے بے خبر وہ ہمہ تن اس مقصد کو پورا کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ دوسری طرف خلافت کی حالت روز بہ روز مخدوش ہوتی جا رہی تھی۔ اول تو خود دربار خلافت سازشوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا اور ترکوں کا زور برابر بڑھتا جا رہا تھا۔ ہر ترک امیر یا سپہ سالار اس کوشش میں تھا کہ جس قدر ہو سکے اقتدار حاصل کر لے اور دارالخلافہ میں بلا تردد حکومت کرے۔ فارس میں یعقوب بن لیث الصفار کا فتنہ جاری تھا، اور دارالخلافہ کے قریب ہی صاحب الزنج بصرہ اور اہواز پر قابض تھا، اور دارالخلافہ کے راستے مسدود کر رکھے تھے۔ خلافت باوجود ہر طرح کی کوشش کے اب تک صاحب الزنج کو زیر نہیں کر سکتی تھی۔ مرکز خلافت سے دور، احمد بن طولون کے عروج میں کمی آنے کے بجائے برابر ترقی ہو رہی تھی۔ اندیشہ تھا کہ اگر یہی لیل ونہار رہے تو ایک طرف تو یعقوب بن لیث بڑھتے بڑھتے دارالخلافہ پہنچ جائے گا، اور دوسری طرف صاحب الزنج کی وجہ سے اہل بغداد کی زندگی محال ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ ایسی زبردست افراتفری پھیلی ہوئی تھی کہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ خلفاء کا اب دوبارہ صاحب اقتدار ہونا ناممکن ہے۔ ابن الاثیر[۱۵] نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ صاحب الزنج کے فتنے کی شدت کی وجہ سے ہی معتمد نے اپنے بھائی الموفق کو مکہ سے سامرا بلایا تھا۔

بنو عباس کی خوش قسمتی تھی کہ اسی وقت ایک ردعمل شروع ہوا، اور الموفق جیسا شخص انھیں میسر آ گیا، جس نے خلافت کو ان حادثوں سے محفوظ کر دیا۔ الموفق ۱۰ ذی الحجہ ۲۵۶ھ کو سامرا پہنچا، اور معلوم ہوتا ہے کہ آتے ہی اُس نے معتمد کو بے دست وپا کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ ۱۲ صفر ۲۵۷ھ کو معتمد نے اُسے مکہ کے راستے، حرمین اور یمن پر حاکم مقرر کیا، اور پھر اسی سال ماہ رمضان میں اُسے بغداد، سواد،

---

[۵] مروج الذہب۔ ج ۲۔ ص ۳۰۳ +
[۱۵] تاریخ الکامل۔ ج ۷۔ ص ۷۹ +

کُور دِجلہ' بصرہ' اہواز اور فارس کی حکومت پر نامزد کیا' اور حکم دیا کہ وہ اپنے عمال خود مقرر کرے۔ یارجُوخ کو بصرہ' کُور دِیامہ' اور بحرین پر سعید بن صالح کی جگہ مقرر کیا جائے[۵۲]۔ اس کے چند ماہ بعد اتوار کے دن ۲۰ ربیع الاول ۲۵۷ھ کو الموفق دیار مضر' قنسرین' اور عواصم کا حاکم مقرر ہوا' اور یکم ربیع الآخر کو اُسے اور مفلح کو خلعت عطا کر کے صاحب الزنج کے خلاف فوج لے جانے کا حکم دیا گیا[۵۳]۔ لیکن الموفق ابھی تک ولی عہد مقرر نہیں ہوا تھا۔ اس کی تکمیل ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ اس سال ۱۲ شوال کو خلیفہ معتمد نے دار العامہ میں اعلان عام کر کے اپنے بیٹے جعفر کو المفوض الی اللہ کا خطاب دے کر ولی عہد مقرر کیا' اور موسیٰ بن بغا کو اُس کا مددگار اور مشیر بنایا' اور افریقہ' مصر' شام' جزیرہ' موصل اور ارمینیہ پر حاکم مقرر کیا۔ اپنے بھائی ابو احمد الموفق کو الناصر لدین اللہ الموفق کا خطاب دے کر مشرق کے علاقے اُس کے سپرد کئے' اور المفوض کے بعد اُسے ولی عہد مقرر کیا۔ یہ شرط کی کہ اگر المفوض کے بالغ ہونے سے پہلے معتمد کا انتقال ہو جائے تو الموفق ہی اُس کا جانشین ہوگا' اور المفوض کو الموفق کا ولی عہد قرار دیا جائے گا۔ اس عہد نامے میں ایک اور شرط یہ بھی تھی کہ اگر مفوضہ علاقوں میں کوئی حادثہ یا شر و فساد واقع ہو تو اپنے اپنے تقسیم شدہ علاقوں کے

---

۵۲ طبری ج ۱۱۔ ص ۲۱۵ +

۵۳ طبری ج ۱۱۔ ص ۲۲۳ + مسعودی۔ مروج الذھب ج ۲۔ ص ۳۱۳ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۸۳ + ابن تغری بردی ج ۳۔ ص ۲۹ + ابن تغری بردی (ج ۳۔ ص ۲۵) نے لکھا ہے کہ ۲۵۶ھ میں ہی معتمد نے اپنے بیٹے المفوض کو ولیعہد مقرر کر دیا تھا' مگر طبری نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ آگے چل کر ابن تغری بردی (ج ۳۔ ص ۳۵) نے جعفر المفوض کی ولی عہدی کی تاریخ ۲۶۱ھ بیان کی ہے' اور طبری اس سے متفق ہے۔ اس کے علاوہ یعقوبی (ج ۲۔ ص ۶۲۴) نے لکھا ہے کہ ۲۵۶ھ میں المفوض کے بعد احمد بن الموفق الملقب بالمعتضد ولی عہد مقرر ہوا تھا۔ یہاں یعقوبی نے صرف بیس برس کی غلطی ہے کہ۔ کیوں کہ معتضد کی ولی عہدی کا واقعہ درحقیقت ۲۷۸ھ کا ہے' اور طبری نے بھی یہی روایت کی ہے۔ دیکھو طبری ج ۱۱۔ ص ۳۴۷ +

خراج سے اس کا سد باب کیا جائے[54]۔ تکمیل کے بعد یہ عہد نامہ مزید توثیق کی غرض سے قاضی حسن بن محمد بن ابی شوارب کے ہاتھ مکہ بھیجا گیا، تاکہ کعبہ میں آویزاں کیا جائے[55]۔ خلافت کے اس طرح دو حصوں میں تقسیم ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ احمد بن طولون کا افسر اعلیٰ المفوض تھا نہ کہ الموفق اس کے باوجود بعض مورخوں نے غلطی سے صرف الموفق کو خلیفہ معتمد کا قائم مقام یا وکیل سمجھ لیا ہے، اور جب احمد بن طولون نے خطبے میں الموفق کا نام نہیں لیا، یا اپنے سکوں پر مسکوک نہیں کرایا تو اسے مورد الزام بنا کر خلافت کا باغی قرار دے دیا ہے۔ یہی غلطی ویوستن فیلد نے کی ہے، اور لین پول[56] نے آل طولون کی تاریخ لکھتے ہوئے ویوستن فیلد کی پیروی میں بارہا اس غلطی کا اعادہ کیا ہے۔

بظاہر احمد بن طولون اور الموفق میں مخاصمت پیدا ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، کیونکہ دونوں کا دائرہ عمل الگ الگ تھا، اور الموفق اس کا افسر اعلیٰ بھی نہیں تھا کہ اسی وجہ سے کوئی نہ کوئی وجہ مخالفت نمودار ہوتی۔ لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس سے قبل ہی الموفق اُس کی طرف سے چوکنا تھا، اور ایک مرتبہ خلیفہ معتمد کے حکم سے اُسے مصر سے عراق بلانے کی کوشش بھی کر چکا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے درپے تھا کہ احمد بن طولون کی قوت جہاں تک ہو سکے توڑ دے۔ جیسا کہ بیکر نے اشارہ کیا ہے، یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ الموفق کے متعلق ہمارے اور احمد بن طولون کے نقطہائے نظر میں بڑا فرق ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ الموفق خلافت عباسیہ کا آخری سہارا تھا، اور اسی پر اس امر کا دارومدار تھا کہ آیا یہ خلافت باقی رہتی ہے یا اُسی وقت ختم ہو جاتی ہے اس نے جو کچھ کیا یا کرنا چاہتا تھا اس میں خلافت کی فلاح و بہبود اُس کے مدنظر تھی، اور اگر وہ ایسے نازک موقع پر معتمد کو عضو معطل بنا کر امور خلافت اپنے ہاتھ میں نہ لے لیتا تو خلافت کو

---

[54] مقریزی ج ۲۔ ص ۱۷۸ +

[55] ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۹۱ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۱۰۴، ۳۵ + طبری ج ۱۱۔ ص ۲۳۶ +

[56] تاریخ مصر بعہد وسطیٰ (انگریزی) ص ۶۷، ۶۶ وغیرہ۔

ناقابل تلافی نقصان پہونچتا۔ اس کے برعکس احمد بن طولون کی نظر میں الموفق کی حیثیت ایک غاصب سے زیادہ نہ تھی، جس نے ایسے خلیفہ پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کردی تھیں، جس کے ہاتھ پر احمد بن طولون نے بیعت کی تھی۔ ہمارے نزدیک احمد بن طولون کا طرز عمل اور الموفق کی مخالفت بغاوت کے مترادف ہے، اور خود احمد بن طولون یہ سمجھتا تھا کہ وہ خلیفہ کے اقتدارات و اختیارات کو باقی رکھنے میں بالکل حق بجانب ہے۔ بڑی بات یہ ہے کہ خود خلیفہ اپنے بھائی کے روز افزوں اثر و نفوذ سے بیزار تھا، کیونکہ اس سے اُس کی عیش و عشرت میں فرق پڑتا تھا، اور اس کا دست نگر ہوتا جارہا تھا۔ معتمد ہر ممکنہ کوشش کررہا تھا کہ احمد بن طولون پر یہ ثابت ہوجائے کہ وہ مظلوم ہے، اور الموفق اُس کے اختیارات غصب کررہا ہے[65]۔ خلیفہ کے اپنے بھائی کے خلاف اس معاندانہ طرز عمل سے احمد بن طولون یہ نتیجہ نکالنے میں بالکل حق بجانب تھا کہ الموفق کے خلاف کارروائی کرے اور خلیفہ کو اُس کے پنجے سے نجات دلائے۔

احمد بن طولون اور الموفق میں مخاصمت کا آغاز صاحب الزنج کے شر و فساد سے ہوا۔ جیسا کہ اس سے پہلے بیان ہوچکا ہے الموفق کو صاحب الزنج کے خلاف فوجی مہم کا افسر مقرر کیا گیا تھا، اور ۲۶۱ھ کی تقسیم خلافت بموجب اب یہ علاقہ اُس کے زیرنگیں بھی تھا۔ لیکن اس دوران صاحب الزنج کے خلاف جنگ برابر جاری تھی، اور ساتھ ہی ساتھ مشرق کے حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے۔ وہاں نہ صرف اضطراب ہی پھیلا ہوا تھا، بلکہ والیان صوبہ جات نے دارالخلافہ کو رقمیں بھی بھیجنا بند کردی تھیں۔ بالآخر الموفق کو جنگ جاری رکھنے کے لئے رقم کی ضرورت ہوئی۔ وہ مشرق کا نگران تھا، اور عہدنامے کے مطابق اُسے چاہئے تھا کہ اپنے والیوں سے رقوم کا مطالبہ کرتا، لیکن اول تو مشرق کی مضطرب حالت مانع تھی، اور پھر وہ صاحب الزنج کے خلاف جنگ میں اس طرح مصروف تھا کہ دوسرے کاموں کی طرف توجہ نہیں

---

[65] ابن خلدون ج ۳۔ ص ۳۰۳ + مقریزی ج ۲۔ ص ۱۷۸ +

کرسکتا تھا۔ اس کے برعکس معتمد کو عیش و عشرت میں لٹانے کے لئے ہر وقت رقم کی ضرورت پڑتی تھی، اور یہ ضروریات احمد بن طولون پوری کرتا رہتا تھا۔ اس وجہ سے الموفق نے بھی اپنے باپ متوکل کے خادم تحریر کو اُس کے پاس بھیجا، اور رقم بھیجنے کی فرمائش کی۔ ساتھ ہی تحریر کو یہ بھی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ احمد بن طولون کے حالات سے باخبر رہے[۵۸]۔ اس طرح تحریر پیامبر بھی تھا، اور مخبر و جاسوس بھی۔ تحریر مصر پہنچا ہی تھا کہ خلیفہ معتمد کا ایک خط احمد بن طولون کو ملا کہ حسب دستور سابق مصر کا سالانہ مال اُس کے پاس بھیجا جائے، اور اُس کے علاوہ حسب معمول خلیفہ کے لئے "طراز والرقیق، والخیل والشمع وغیر ذلك" بھی روانہ کئے جائیں[۵۹]۔ معتمد نے خفیہ طور پر احمد بن طولون کو یہ بھی اطلاع دی تھی کہ الموفق نے تحریر کو جاسوس بنا کر بھیجا ہے اور بعض قائدوں کے ساتھ خفیہ خط و کتابت بھی کی ہے۔ "اس لئے ہوشیار رہو، اور جس قدر جلد ممکن ہو مال ہمارے پاس بھیج دو[۶۰]"۔ اس طرح تمام حالات و معاملات سے باخبر ہونے کے بعد احمد بن طولون نے تحریر کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور بڑی تعظیم و تکریم سے اپنے پاس میدان میں ٹھیرایا، مگر وہیں اسے نظربند بھی کر دیا، جب تک وہ مصر میں رہا اُسے باہر نکلنے کی ممانعت کر دی، اور اس کے تمام کاغذات ضبط کر لئے۔ اس نے الموفق کے نام خطوں میں بھی تلطف و مدارات کا لہجہ اختیار کیا، اور بالآخر تحریر کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار دینار الموفق کے پاس بھیج دئے، اور اس کے علاوہ حسب معمول

۵۸۔ ابن خلدون ج ۴۔ ص ۲۹۹ +

۵۹۔ مقریزی ج ۲۔ ص ۱۷۸ + ابن خلدون (ج ۴۔ ص ۲۹۹) نے لکھا ہے کہ اموال کے علاوہ الموفق نے طراز وغیرہ کا مطالبہ بھی احمد بن طولون سے کیا تھا۔ لیکن یہ زیادہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔ کیوں کہ فوجی مہمات کی فوری ضروریات کے لئے یہ چیزیں الموفق کے لئے بے کار تھیں۔ مزید برآں الموفق کے مطالبے کے جواب میں احمد بن طولون نے صرف رقم مہیا کی ہے۔

۶۰۔ خطط ج ۲۔ ص ۱۷۸:۔ فاحترس واحمل الینا المال وعجّل انفاذہ +

مصر سے جو چیزیں بھیجی جاتی تھیں وہ بھی ساتھ کر دیں۔ وہ خود تحریر کے ساتھ مصر کے سرحدی شہر عریش تک گیا، اور پھر تمام مال و اسباب اُس کے حوالے کر کے اُس سے رسید میں لے لیں۔ فسطاط واپس آکر احمد نے ان خطوں کو پڑھا جو تحریر سے ضبط کئے گئے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ خط اس کے قائدوں کی ایک جماعت کے نام تھے، اور انھیں الموفق کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ احمد نے ان لوگوں کو گرفتار کرایا اور طرح طرح کے عذاب دے کر قتل کرا دیا۔

الموفق کا خط احمد کے پاس آیا جس میں مال کی رسید دی گئی تھی، اور شکایت کی گئی تھی کہ حساب کے مطابق اس سے دگنی رقم آنی چاہیے تھی۔ اس خط میں الموفق نے بدکلامی سے بھی دریغ نہیں کیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کر کے، الموفق کو ایسے آدمی کی تلاش ہوئی جو مصر میں احمد بن طولون کا جانشین بن سکے۔ لیکن کسی نے یہ عہدہ قبول نہ کیا، کیونکہ تمام عمائد خلافت اُس کے زیر بار احسان ہونے کی وجہ سے اُس کے ہمدرد تھے۔[61] اُدھر احمد بن طولون کو جب الموفق کا خط ملا تو اُس نے کہا کہ

"مجھ سے حساب طلب کرنے یا اس قسم کے الفاظ سے مجھے مخاطب کرنے کا اُسے کیا حق حاصل ہے۔"

پھر الموفق کے خط کا جواب لکھا۔ یہ جواب المقریزی[62] نے بہ تمام و کمال نقل کیا ہے۔ احمد بن طولون نے الموفق کو یاد دلایا کہ سرکاری طور پر اس میں اور الموفق میں کوئی تعلق نہیں، مصر کا والی المفوض ہے، اور صرف وہی حسابات طلب کر سکتا ہے، اس معاملے میں الموفق نے مداخلت کر کے اس عہد نامے کی خلاف ورزی کی ہے، جس پر عمل کرنے کی اُس نے قسم کھائی تھی، اور

۶۱؎ لان احمد کانت خدمه وهدایاه متصلة الی القواد بالعراق وارباب المناصب۔ فلهذا لم یجد من یتولاه + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۰۰ + مقریزی ج ۲۔ ص ۱۷۹ +

۶۲؎ خطط ج ۲۔ ص ۱۷۹ +

اس لئے وہ اس کا مستوجب ہے کہ اُسے ولی عہدی سے الگ کر دیا جائے، اور اُس کے خلاف جنگ کا اعلان کیا جائے۔ احمد بن طولون نے اُسے یہ بھی دھمکی دی کہ اُس کے خلاف باقاعدہ تربیت یافتہ فوجیں بھیجی جا سکتی ہیں، جن کے مقابلے میں وہ خود بصرہ کے "عوام کالانعام" کے سوا کوئی فوج میدان میں نہیں لا سکتا۔

الموفق دو مرتبہ خلاف قانون کام کر چکا تھا۔ اُسے احمد بن طولون سے رقم طلب کرنے اور حساب مانگنے کا کوئی حق نہیں تھا، اور نہ اُسے یہ حق تھا کہ احمد بن طولون کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو مقرر کر دے۔ اُسے جب مذکورۂ بالا خط میں ان باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی تو اُس نے اب قانونی طریقے سے اپنا کام نکالنا چاہا، اور المفوض کے مشیر موسیٰ بن بُغا کو اس پر آمادہ کیا کہ احمد بن طولون کو معزول کر کے اماجور والیٔ شام کو مصر پر مقرر کر دے۔ موسیٰ بن بُغا اس زمانے میں دربار خلافت کا رکن رکین[۶۳] اور سب سے زیادہ با رسوخ امیر تھا۔ اور چونکہ وہ ۲۶۱ھ کے عہد نامے کے مطابق یہی ترک امیر المفوض کا مشیر اور منتظم ہوا تھا، اس لئے اُس کا حکم المفوض کے حکم کے برابر تھا۔ اس کے ساتھ ہی موسیٰ بن بغا کو مجبور کیا گیا کہ وہ اعمال المفوض سے رقم جمع کر کے الموفق کے پاس بھیجے۔ اس طریقے سے الموفق نے اپنے دونوں مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اماجور کے پاس جب موسیٰ بن بُغا کا حکم پہنچا تو اُس نے معذرت چاہی کہ وہ احمد بن طولون کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔

اب مجبوراً موسیٰ بن بغا نے خود مصر جانے کا ارادہ کیا کہ احمد بن طولون کو برطرف کر کے اماجور کو مقرر کر دے۔ احمد بن طولون کو جب اس کے اس ارادے کا علم ہوا تو اسے سخت رنج ہوا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ موسیٰ بن بغا کا مقابلہ نہیں کر سکتا بلکہ اس لئے کہ خلافت کی شکست و ریخت پر اُسے مجبور ہونا پڑے گا۔[۶۴] بہر حال اب سوائے اس کے چارہ نہیں تھا کہ جنگ کی تیاری کی جائے۔

---

۶۳ مقریزی ج ۲۔ ص ۱۷۹ + وکان غوث الدولۃ واشد اہلہا بأساً و افدا ماً +

۶۴ مقریزی ج ۲۔ ص ۱۸۰ +

فسطاط پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ دریائے نیل کی سمت میں شہر غیر محفوظ ہے۔ اس کے نتائج پر غور کر کے اُس نے فسطاط اور جیزہ کے درمیان جو جزیرہ ہے، اور جسے بعد میں الروضہ کہنے لگے تھے، وہاں اپنا مال اور حرم محفوظ کرنے کے لئے اور فسطاط کی حفاظت کی غرض سے ایک قلعہ بنانے کا ارادہ کیا[۶۵] اور حصن الروضہ کی تعمیر پر اسی ہزار طلائی دینار خرچ کر دئے[۶۶]۔ الکندی اور قضاعی کی روایت کے بموجب[۶۷] ۵۴ھ میں یہاں ایک دار الصناعت قائم کیا گیا تھا، جہاں جنگی جہاز بنتے تھے۔ احمد بن طولون نے ۲۶۳ھ میں قلعہ بنانے کے علاوہ دار الصناعت کو دوبارہ ترقی دی، جنگی جہاز تیار کرائے اور انھیں الروضہ کے گرد مقرر کیا تاکہ ان سے فسطاط کی حفاظت ہو سکے، اور طرسوس سے آنے والے جنگی جہازوں کو بھی روکا جا سکے۔ لیکن موسیٰ بن بُغا کی یہ مہم ناکام رہی۔ رقم نہ ہونے کی وجہ سے یا اس سبب سے کہ وہ احمد بن طولون سے ڈرتا تھا، رقہ پہنچ کر موسیٰ بن بُغا رُک گیا، اور دس مہینے وہاں بے کار پڑا رہا۔ بالآخر اُس کے سپاہیوں میں شورش ہوئی؛ انھوں نے ارزاق کا مطالبہ کیا اور یہ بھی مطالبہ کیا کہ یا تو آگے بڑھو اور یا عراق واپس چلو۔ آخر صورت حال اس قدر نازک ہوگئی کہ موسیٰ بن بُغا کا کاتب موسیٰ بن عبداللہ بن وھب روپوش ہوگیا۔ موسیٰ بن بغا بھی رقہ میں بیمار ہوا، اور وہیں رقہ میں یا وہاں سے عراق واپس آنے کے بعد صفر ۲۶۴ھ میں اُس کا انتقال ہوا۔ اس آفت ناگہانی سے نجات پاکر احمد بن طولون نے اطمینان کا سانس لیا، اور بہت سا مال اللہ کی راہ میں خیرات کیا۔ الموفق اب پھر بھی اپنے ارادے سے باز نہیں آیا۔ اُس نے معتمد سے کہہ کر محمد بن ہارون التغلبی والئ موصل کو مصر کا عامل مقرر کرایا۔ وہ دریا کے راستے سے روانہ ہوا، لیکن طوفان سے اُس کی کشتیاں دریائے دجلہ

۶۵۔ مقریزی ج ۱۔ ص ۳۱۹ + ج ۲۔ ص ۱۷۸ +

۶۶۔ مقریزی ج ۲۔ ص ۱۸۰ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۱۱ +

۶۷۔ مقریزی ج ۲۔ ص ۱۷۸ +

کے کنارے پاش پاش ہوگئیں۔ اور خارجی سردار مساور الساری نے اُسے قتل کردیا[۵۸]۔ اس طرح الموفق کی تمام کوششیں بے نتیجہ رہیں اور وہ احمد بن طولون کا بال بیکا نہ کرسکا۔ الموفق اس وقت صاحب الزنج کا فتنہ فرو کرنے میں مصروف تھا، اور احمد بن طولون کے خلاف کوئی نیا اقدام نہیں کرسکتا تھا لیکن احمد بن طولون بجائے خود بہر حال خطرے سے غافل نہیں تھا، اور مصر کو محفوظ کرنے میں برابر منہمک رہا۔ اس نے یہ کوشش کی کہ بے جنگ و جدل جو فتح اسے حاصل ہوگئی ہے اُسے اپنی قوت مجتمع کرکے بالکل محفوظ کرلے۔

احمد بن طولون کے زمانے کے حالات کا اندازہ ان حکایات سے کیا جاسکتا ہے جو جاسوسوں کی گرفتاری کے متعلق بیان کی گئی ہیں۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ دار الخلافہ سے اس کے سپہ سالاروں اور افسروں کو توڑنے کی کوشش ہو رہی تھی، اور احمد بھی ان کا ترکی بہ ترکی جواب دے رہا تھا۔ یہ نہایت مکمل سلسلۂ جاسوسی اس زمانے کی خاص چیز ہے۔ احمد نے ہر اُس شخص کے پیچھے مخبر لگا رکھے تھے جو اُس کے لئے ذراسی بھی اہمیت رکھتا تھا۔ مصر میں بھی اس کے جاسوسوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، اور سرحدوں کی خاص طور پر نگرانی کی جارہی تھی۔ خود احمد بن طولون کا حرم بھی جاسوسوں سے خالی نہیں تھا۔ دار الخلافہ میں اس کا ایک نائب (خلیفته بالحضرة) طیفور نام رہتا تھا، اور ذرا ذرا سی باتوں کی خبر اُسے ملتی رہتی تھی[۵۹]۔

قبل اس کے کہ بیرون مصر احمد بن طولون کی توسیع حکومت کے واقعات بیان کئے جائیں، بہتر ہے کہ ان حوادث کا ذکر کردیا جائے جو اس دوران میں خود مصر میں پیش آرہے تھے۔ العمری کا ذکر اس سے قبل ہوچکا ہے۔ یہ شخص حضرت عمر بن الخطاب کی اولاد سے تھا، اور اس کا نام ابو عبداللہ (یا ابو عبد الرحمٰن) عبد الحمید بن عبداللہ بن عبد العزیز بن عبداللہ بن عمر تھا۔ وہ

---

[۵۸] تفصیل کے لئے دیکھو مقریزی ج ۲۔ ص ۱۷۷۔ ۱۷۹ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۰۰۔ ۱۰۱ + الکندی ص ۲۱۸، ۲۱۹ +

[۵۹] بکر (بحوالۂ ابن سعید) ص ۱۶۸ +

مصر کی جنوبی سرحد پر ارض بجاۃ کے قریب رہتا تھا۔ ارض بجاۃ کے حالات مقریزی[۷۰] نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ یہاں کے رہنے والے اس قدر فتنہ پرداز تھے کہ سرحد کے رہنے والے مسلمان ایک لمحہ بھی اپنے آپ کو ان سے محفوظ نہیں سمجھتے تھے۔ جارودی کے قریب عیدگاہ میں جب نماز ہوتی تھی تو نمازیوں کی حفاظت کے لئے برکۃ الجیش کے نواح میں پائیں کوہ ایک مسلح فوج متعین رہتی تھی، تاکہ اگر اہل بجاۃ اچانک حملہ کریں تو اس کا تدارک کیا جا سکے، اور جب تک سب لوگ عیدگاہ سے رخصت نہیں ہو جاتے تھے یہ فوج وہاں رہتی تھی، کیونکہ اکثر اہل بجاۃ نے اس طرح مسلمانوں پر اچانک حملہ کیا تھا، اور قتل و غارت کے بعد ایسے ہی اچانک غائب ہو گئے تھے۔ ۲۵۶ھ میں بھی، احمد بن طولون کے عہد امارت میں، ایسا ہی ایک حادثہ پیش آیا تھا۔ مسلمانوں کو عیدگاہ میں لوٹا اور قتل کیا گیا تھا اور اہل بجاۃ سالم و غانم واپس ہو گئے تھے۔ ان متواتر اور تکلیف دہ ترکتازیوں کے باوجود فسطاط سے کوئی مدد سرحد کے لوگوں کو حاصل نہیں ہوئی، اور ۲۵۹ھ میں اہل بجاۃ نے حسب معمول عید کے دن مصر کی سرحد پر چھاپا مارا، لوگوں کو قتل کیا، اور بلا مزاحمت واپس ہوئے۔ جب اس قسم کے قتل و غارت میں برابر اضافہ ہی ہوتا گیا تو آخر العمری نے ان کا مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا: "غضباً للہ وللمسلمین"۔ اس نے کمین گاہیں مقرر کیں، اور جب اہل بجاۃ پھر اچانک حملہ آور ہوئے۔ تو اس نے ان کے مقدمۃ الجیش کو تہ تیغ کیا، ان کے رئیس کو قتل کر ڈالا۔ خود ان کے ملک میں داخل ہو کر وہاں قتل و غارت کا بازار گرم کیا، اور ان پر متواتر چھاپے مارنے شروع کئے۔ انجام کار انھوں نے جزیہ دینا قبول کیا، حالانکہ اس سے قبل اُن سے کبھی جزیہ دینا وصول نہیں کیا گیا تھا[۷۱]۔ اس سے العمری کی قوت میں اضافہ ہوا، اور اُس نے بھی مسلمانوں اور ذمیوں سے

---

[۷۰] خطط ج ۲۔ ص ۴۵۵ +

[۷۱] گزشتہ مضمون (عرب مصر میں) میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ ابتدائی عہد اسلام میں جزیہ اور خراج (باج) ایک ہی چیز تھے۔ اہل بجاۃ سے اس طرح جزیہ وصول کرنے کی مثال سے یہ امر اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں مردم شماری کا ذکر نہیں، اور غالباً ایک معین رقم بطور باج ان سے وصول کی گئی تھی۔

حسن سیرت کا اظہار کیا۔ اہل نوبہ سے اُس نے صلح کرلی، اور جب دوبارہ انھوں نے نقض امن کیا، اور مریس کے مقام پر چھاپے مارنے لگے تو العمری نے انھیں پھر زک دی، ان کی بستیوں کو لوٹ لیا اور بے شمار اہل نوبہ کو قید کرلیا۔ یہ لوگ اب احمد بن طولون کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غالباً غلط واقعات بیان کرکے العمری کی شکایت کی۔ اس پر احمد بن طولون نے العمری کے خلاف ایک لشکر بھیجا، مگر وہ مقدمۃ الجیش کے قائد سے ملا اور کہا کہ اس کا ارادہ شر و فساد پیدا کرنے کا نہیں ہے، اور نہ وہ کسی مسلمان یا ذمی کو ایذا دیتا ہے۔ اگر احمد بن طولون کو ان باتوں کی اطلاع کردی جائے تو وہ فوج کو واپس بلالے گا۔ مگر قائد نے اس کی باتوں پر توجہ نہ کی۔ جنگ ہوئی اور احمد بن طولون کی فوج نے شکست کھائی۔ لبقیۃ السیف لوگ فسطاط پہنچے، اور واقعات اور حالات کی اطلاع احمد بن طولون کو دی۔ اُس نے کہا کہ تم نے اس کی نہ سنی اور بجا طور پر شکست کھائی۔ اب العمری کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا، کیونکہ اس سرحد کی حفاظت کا کام وہ باحسن وجوہ انجام دے رہا تھا۔ مگر بالآخر اُس کے دو غلاموں نے اُسے قتل کردیا، اور انعام کی امید میں اس کا سر لے کر احمد بن طولون کے پاس پہنچے۔ احمد نے قصاص لیا اور دونوں قاتلوں کو قتل کی سزا دی۔ العمری کا سر غسل و کفن کے بعد دفن کردیا گیا۔[۴۲]

ابھی تک علویوں کی طرف سے خطرے کا پورا ازالہ نہیں ہوا تھا۔ ابن الصوفی کی بغاوت کا ایک نیا شاخسانہ ۲۶۰ھ میں ظاہر ہوا۔ مصر میں ایک شخص سکن ابوروح نے خروج کیا۔ یہ ابن الصوفی کے آدمیوں میں سے تھا اور بنو علی کا ہمدرد تھا۔ احمد بن طولون کی پہلی فوج نے اس کے مقابلے میں شکست کھائی، مگر دوسری فوج نے اُسے گھیر لیا۔ انجام کار اس نے امان طلب کی اور امان دی گئی۔ غالباً سکن ابوروح عوام میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا، اور اسی لئے اُسے بے ضرر سمجھ کر اُس زمانے کے

---

[۴۲] مقریزی ج ۲ ص ۵۵۴ + ابن الاثیر ج ۷ ص ۸۷ + ابن خلدون ج ۴ ص ۳۰۲ + یعقوبی (ج ۲ ص ۶۲۲) نے العمری کے واقعہ کو ۲۵۵ھ کا واقعہ قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اُس نے حکومت کے خلاف سر اٹھایا تھا (المحاربة اهل السلطان) مگر کسی دوسرے مورخ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ اسی طرح یعقوبی کے سوا باقی سب مورخ اسے بجائے ۲۵۵ھ کے ۲۵۹ھ ہی کا واقعہ بتاتے ہیں۔

قاعدے کے مطابق قتل کی سزا دینے کے بجائے، امان دی گئی۔ اس کے بعد بنو علی یا اُن کے ہمدردوں کی طرف سے کوئی فساد نہیں اٹھا۔

سنہ ۲۶۱ھ میں اہل برقہ نے احمد بن طولون کی اطاعت سے انحراف کیا، اور اپنے حاکم محمد بن الفرج الفرغانی کو شہر سے نکال دیا۔ احمد بن طولون نے اپنے مولا لُولُو کی ماتحتی میں ایک فوج برقہ بھیجی، اور ہدایت کی کہ اگر وہ لوگ صلح و آشتی سے مطیع ہو جائیں تو ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے، ورنہ تلوار سے کام لیا جائے۔ لُولُو نے ان احکام پر عمل کیا۔ مگر اس ملاطفت سے اہل شہر کی ہمتیں اور بھی بڑھ گئیں۔ انھوں نے شہر سے نکل کر عسکر پر، جو شہر کے دروازے پر مقیم تھا، حملہ کیا اور سپاہیوں کو قتل کر ڈالا۔ لُولُو نے احمد کو اس کی اطلاع دی، اور حکم ملنے پر منجنیقیں لگا دیں۔ آخر اہل برقہ امان کے طالب ہوئے۔ انھیں امان دی گئی۔ اب شہر کے دروازے کھول دئے گئے۔ لُولُو اندر داخل ہوا۔ شورش کے سرغنہ گرفتار کئے گئے۔ بعض کو چابکوں کی سزا دی گئی، اور بعض کے ہاتھ کٹوائے گئے۔ باقی ماندہ لوگوں کو لُولُو پابزنجیر اپنے ساتھ فسطاط لے گیا، اور برقہ پر نیا حاکم مقرر کر دیا۔ فسطاط میں قیدیوں کو تشہیر کرایا گیا اس فتح کے صلے میں احمد بن طولون نے لُولُو کو خلعت سے سرفراز کیا، جس میں دو طلائی طوق بھی شامل تھے، جو اُس کی گلے میں پہنائے گئے۔ اہل برقہ کے اطاعت سے انحراف کی وجہ معلوم نہیں۔ لیکن برقہ مصر اور افریقہ کی سرحد پر واقع تھا[۱] اور اس لئے یہاں کی معمولی سی شورش بھی تشویشناک ہو سکتی تھی۔

(۳)

سنہ ۲۶۴ھ میں احمد بن طولون کی حکومت بیرون مصر تک وسیع ہو گئی۔ یاد ہوگا کہ سنہ ۲۵۷ھ میں اماجور الترکی کو خلیفہ معتمد نے شام کا حاکم اس وقت مقرر کیا تھا جب احمد بن طولون کو ابن الشیخ کے خلاف فلسطین جانے کا حکم ہوا ہے، اور پھر یہ حکم منسوخ کیا گیا ہے۔ اس اماجور کا انتقال سنہ ۲۶۴ھ میں ہوا، اور اس کا

---

[۱] ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۹۳ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۳ +

بیٹا علی اُس کا جانشین بنا۔ مگر علی کے امور کی نگرانی احمد بن بُغا اور عبید اللہ بن یحییٰ ابن وھب کرتے تھے۔ اماجور کی وفات کے بعد احمد بن طولون ثغور کی دیکھ بھال کے لئے شام روانہ ہوا۔ مصر میں اُس نے اپنے بیٹے عباس کو بطور نائب مقرر کیا، اور احمد بن الوسطی کو اُس کا مشیر اور نگرانی کار بنایا۔ منیۃ الاصبغ پہونچ کر اُس نے علی بن اماجور کو لکھا کہ فوج کی رسد کا انتظام کرے۔ اِس سے پیشتر خود اماجور ہی احمد بن طولون کے مقابلے میں عجز و ضعف کا اعتراف کرچکا تھا۔ اب علی بن اماجور کے لئے اس کے سوا چارہ ہی نہیں تھا کہ حکم کی تعمیل کرے۔ احمد بن طولون رَمْلَہ پہنچا، جہاں علی کا نائب محمد بن رافع موجود تھا۔ اُس نے احمد بن طولون کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور اُسے ہر طرح کی مدد دی۔ رُملہ سے احمد بن طولون دِمَشق گیا۔ یہاں علی کی کم سنی کی وجہ سے احمد بن ید غباش (یا دُو غیاش) شہر کی نگرانی اور حکومت پر مقرر تھا۔ ابن ید غباش نے شہر اُس کے حوالے کر دیا، اور احمد بن طولون نے اس کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ دمشق سے وہ حمص آیا، اور اُسے بھی اماجور کے مقرر کردہ حاکم عیسیٰ بن الکرخی نے اُس کے حوالے کر دیا۔ احمد بن طولون نے عیسیٰ بن الکرخی ہی کو حمص کی حکومت پر بحال رکھا۔

غالباً حمص کے قیام کے دوران میں اُس نے انطاکیہ کے حاکم سیما الطویل کو اطاعت قبول کرنے کے لئے لکھا۔ مگر وہاں سے مفید مطلب جواب وصول نہ ہونے پر احمد بن طولون ایک عظیم الشان فوج لے کر انطاکیہ روانہ ہوا۔ اُس زمانے میں ثغور کے اہم مقامات انطاکیہ، طرسوس، مصیصہ اور ملطیہ تھے[۷۵]، اور ثغور کی حالت یہ تھی کہ ۲۶۳ھ میں عبد اللہ بن رشید بن کاوس حاکم ثغور نے چار ہزار فوج لے کر بلاد الروم پر حملہ کیا تھا، اور شروع میں بڑی کامیابی حاصل کی تھی۔ یہ فوج سالم و غانم بلاد روم سے واپس آ رہی تھی کہ دو بطریقوں نے اُس پر حملہ کیا، اور سوائے پانچ آدمیوں کے تمام فوج کو کاٹ ڈالا۔ خود عبد اللہ بن رشید بھی زخمی ہو کر یونانیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا[۷۶]۔ ان بطریقوں نے لولؤہ پر جو طرسوس کا نہایت اہم قلعہ تھا، قبضہ کر لیا[۷۷]۔ ایک طرف تو ثغور کی یہ مخدوش حالت تھی، اور

---

[۷۵] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۰ +　　[۷۶] ابن الاثیر ج ۷، ص ۱۰۲، ۱۰۳

[۷۷] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۰۔

دوسری طرف سیما الطویل وہاں فساد اور کمزوری کا باعث ہو رہا تھا۔ ابھی کچھ مدت قبل ثغور کا انتظام اس نہج پر تھا کہ انطاکیہ کا حاکم محمد بن علی بن یحییٰ الارمنی اور طرسوس کا حاکم سیما الطویل تھا، لیکن عام امور کی نگرانی سیما الطویل کے سپرد تھی۔ سیما ایک مرتبہ انطاکیہ آیا مگر الارمنی نے اُسے شہر میں داخل ہونے سے روکا۔ سیما نے اہل شہر سے سازش کرکے الارمنی کو قتل کرا دیا۔ اس واقعہ سے ثغور پر فساد پھیلنے کا اندیشہ ہوا، اور جب فساد فرو ہونے کی کوئی امید نہ رہی تو الموفق نے احمد بن طولون کو حکم دیا کہ ثغور پر قبضہ کر لے۔ اسی حکم کی بنا پر احمد بن طولون انطاکیہ اور وہاں سے طرسوس گیا تھا۔ مگر سیما الطویل نے علانیہ طور پر معاندانہ طرزِ عمل اختیار کیا، اور قلعبند ہو کر شہر میں بیٹھ رہا۔ مگر بدقسمتی سے اہل شہر اُس سے نالاں تھے۔ جب منجنیق شہر پر لگا دئے گئے، اور محاصرے میں شدت ہونے لگی تو اہل شہر نے احمد بن طولون کے پاس آدمی بھیج کر بتا دیا کہ کس سمت سے شہر میں داخلہ آسان ہوگا۔ سیما الطویل کو قتل کیا گیا، اور اس کے اموال اور آدمی مباح قرار دئے گئے۔ صفر ۲۶۵ھ میں فتح انطاکیہ کی خبر فسطاط پہنچی، اور احمد بن طولون اپنی فوج کے ساتھ طرسوس کی طرف چلا۔ فوج کی وجہ سے طرسوس میں گرانی بڑھی، اور اہل شہر نے مجبور ہو کر جنگ کی تیاری کی لیکن احمد بن طولون نے اس خیال سے کہ یونانیوں کو اس کا علم ہو جائے کہ وہ بھی اہل طرسوس کے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتا، اپنی فوج کو پسپا ہونے کا حکم دیا، اور طخشی بن بلبرد کو وہاں کا حاکم مقرر کرکے واپس ہوا جیسا کہ پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ اُس نے یونانی سرحد پر حملہ کرنے کا بھی ارادہ کیا تھا، اور طرسوس سے واپسی سے قبل اُس نے حَرّان اور رَقّہ میں محافظ فوجیں مقرر کی تھیں۔ حران کا حاکم محمد بن اتامش[1] تھا، جسے احمد بن طولون کے مقدمۃ الجیش کے افسر بجُران بن جیعونہ نے وہاں سے نکال کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ یونانیوں کی ایک درخواست کہ عارضی صلح (ھدنہ) ہو جائے، احمد بن طولون نے رد کر دی، اور حکم دیا کہ ثغور کے قلعوں کی مرمت کی جائے اور سپاہیوں (غزاۃ) کے

---

[1] ابن الاثیر (ج ۷، ص ۱۰۵) نے اس کا نام محمد بن اتامش اور بجائے جیبونہ کے جیعونہ لکھا ہے۔

ارزاق، جو گذشتہ فسادیں مسدود کر دئے گئے تھے، دوبارہ جاری کئے جائیں[۷۹]۔

معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن طولون کے ان نئے کارناموں اور خصوصاً ثغور کے نئے استحکامات سے یونانی بہت متاثر ہوئے تھے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ انھوں نے عارضی صلح کی درخواست بھی کی تھی، جسے احمد بن طولون نے رد کر دیا تھا۔ غالباً اسی درخواست کو مزید تقویت پہنچانے کی غرض سے یونانیوں نے عبد اللہ بن رشید بن کاؤس کو، جو ان کی قید میں تھا، دوسرے قیدیوں کے ساتھ احمد بن طولون کے پاس بھیج دیا، اور متعدد قرآن شریف بھی ہدیۃً اسے بھیجے[۸۰]۔ ثغور اور شام پر قبضے کا اثر یہ ہوا کہ احمد بن طولون نے اپنے نام کا سکہ مسکوک کرایا۔ اس وقت تک پرانے سکے مروج تھے، اور ان پر صرف خلیفہ کا نام ہوتا تھا۔ لیکن ۲۶۶ھ میں جب احمد بن طولون کی حکومت بیرون مصر تک وسیع ہو گئی تو اس نے نیا سکہ مسکوک کرایا۔ ان دیناروں پر، جو احمدی کہلاتے ہیں، خلیفہ کے علاوہ احمد بن طولون کا نام بھی پایا جاتا ہے۔ یہ سکے ۲۶۶ھ، ۲۶۷ھ، ۲۶۹ھ، اور ۲۷۰ھ کے مسکوک شدہ دستیاب ہوتے ہیں اور رافقہ اور دمشق میں مسکوک ہوئے ہیں[۸۱]۔

احمد بن طولون اب اپنے انتہائی عروج پر پہنچ چکا تھا۔ وہ مصر و شام کا بلا شرکت غیرے

---

[۷۹] الکندی ص ۲۰۹، ۲۲۰ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۴۰، ۴۱ + ابن خلدون ج ۴ ص ۳۰۰، ۳۰۱ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۰۴، ۱۰۵ + طبری ج ۱۱۔ ص ۲۵۲ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۲۰ + ابن عساکر ج ۲۔ ص ۱۱۵ + ابن عساکر (ج ۲۔ ص ۱۰۶) نے لکھا ہے کہ احمد بن وصیف کو، جسے عراق سے جلاوطن کر دیا گیا تھا، اور جسے احمد بن طولون صور سے اپنے ساتھ لایا تھا، دمشق مصر کا حاکم مقرر کیا گیا۔ مگر الکندی اور ابن خلدون نے دمشق پر مقرر ہونے والے حاکم کا نام احمد بن دوغباش لکھا ہے؛ اور خود ابن عساکر نے بھی ان مورخوں کی پیروی کی ہے۔ دیکھو ج ۲۔ ص ۱۱۵ + کیا یہاں ناموں میں کچھ خلط ملط واقع ہوا ہے؟

[۸۰] طبری ج ۱۱۔ ص ۲۵۳ +

[۸۱] بیکر ص ۱۷۲ + لین پول ص ۱۶۷۔ لین پول نے یہاں پھر وہی غلطی کی ہے کہ دوسرے والیان صوبہ جات کی طرح احمد بن طولون نے الموفق کا نام اپنے سکوں پر مسکوک نہیں کرایا تھا۔ ہم لکھ آئے ہیں کہ ایسا کرنا اس کے لئے ضروری نہیں تھا۔

مالک تھا۔ اس کے حریف اماجور کا انتقال ہوگیا تھا، اور دوسرا حریف احمد بن المدبر اب فتح شام کے بعد ایک مرتبہ پھر اس کے پنجے میں پھنس گیا تھا، جس سے اُسے ۲۷۰ھ میں موت ہی نے رہائی دلوائی۔ ثغور الشام پر ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے کہ خود الموفق کی اجازت سے وہ ان سرحدوں پر قابض اور ان کے امور کا نگران تھا۔ لیکن ابھی وہ طرسوس سے شام واپس ہوا ہی تھا کہ اُسے اپنے بیٹے عباس کی بغاوت کی خبر ملی، جسے وہ شام روانہ ہوتے وقت بطور نائب مصر چھوڑ آیا تھا۔ اس واقع سے احمد بن طولون بالکل نہیں گھبرایا، بلکہ شام کے متعلق تمام انتظامات مکمل ہونے کے بعد مصر واپس ہوا[۸۲]۔

گو عباس مصر میں اپنے باپ کا نائب تھا، لیکن اصل حکومت احمد بن محمد الواسطی کی تھی، اور احمد بن طولون نے چلتے وقت عباس کو تاکید کی تھی کہ وہ ہر حالت میں اس کار آزمودہ افسر کی ہدایات پر عمل کرے۔ چند قائد جن کے نام الکندی[۸۳] نے لکھے ہیں، عباس کے خاص بے تکلف دوست تھے۔ یہ لوگ احمد بن طولون سے خائف تھے، اور اس کے خلاف بغاوت پھیلانے کی فکر میں تھے۔ عباس ان میں سے ایک کو کسی خدمت پر مامور کرنا چاہتا تھا۔ لیکن الواسطی نے اس بنا پر مخالفت کی کہ اس سے امورِ سلطنت میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے۔ اب ان بے تکلف دوستوں نے الواسطی کی شکائتیں کرنی شروع کیں، اور عباس کو بالآخر اُس سے منحرف کر دیا۔ الواسطی نے بھی ان تمام معاملات کی اطلاع احمد بن طولون کو کر دی۔ اس نے جواب میں لکھا کہ اس کے مصر واپس آنے تک کسی طرح کام چلاتا رہے۔ محمد (یا محبوب) بن رجا شام میں احمد بن طولون کا کاتب اور الواسطی کا حریف تھا۔ عباس سے اس کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ وہ الواسطی کے یہ خط عباس کے پاس بھیجتا رہا۔

---

۸۲ ویوستن فیلڈ نے تعجب ظاہر کیا ہے کہ احمد بن طولون اس بغاوت سے گھبرا گیا تھا، اور بعض مورخ لکھتے ہیں کہ وہ بالکل نہیں گھبرایا تھا۔ اصل یہ ہے کہ یہ اختلاف مورخوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ احمد بن طولون کو تشویش اس وقت ہوئی تھی جب عباس کی بغاوت کے ساتھ دوسرے کوائف مل جل گئے تھے، اور حالات نے خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ منقول از بیکر ص ۱۶۹ +

۸۳ کتاب الولاۃ۔ ص ۲۲۰ +

نتیجہ یہ ہوا کہ الواسطی اور عباس میں کش مکش شروع ہوئی، اور عباس کو بالآخر اس کا مزید ثبوت بھی مل گیا کہ الواسطی نے احمد بن طولون سے اس کی شکایت کی ہے۔ ایسی حالت میں جب کہ تمام باتیں ظاہر ہو چکی تھیں عباس کے لئے سوائے اس کے چارہ نہ تھا کہ وہ باپ کی مخالفت پر آمادہ ہو جائے۔ لہذا اُس نے صاحب الخراج ابو ایوب ابن اخت الوزیر سے دس لاکھ دینار، اور تاجروں سے دو لاکھ دینار وصول کئے، اور تمام اسلحہ پر قبضہ کر لیا، پھر اپنے دوستوں کے مشورے کے مطابق اُس نے برقہ کا قصد کیا۔ الواسطی اور ایمن الاسود پابہ زنجیر اُس کے ساتھ تھے۔ ۸ شعبان ۲۶۵ھ کو وہ اپنے بھائی ربیعہ بن احمد کو بطور نائب فسطاط میں چھوڑ کر جیزہ کی طرف روانہ ہوا، اور یہ ظاہر کیا کہ احمد بن طولون کا حکم ملا ہے کہ وہ اسکندریہ جائے۔ پھر جیزہ سے وہ برقہ کی طرف پھرا۔

جمعرات کے دن ۴ رمضان ۲۶۵ھ کو احمد بن طولون فسطاط واپس آیا۔ اس نے چند معتبر آدمی، جن میں مصر کے قاضی ابو بکرہ بکار بن قتیبہ بھی تھے، عباس کے پاس بھیجے اور وعدہ کیا کہ اگر وہ واپس آجائے تو اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ قاضی بکار نے عباس کو بہت سمجھایا لیکن جب عباس نے یہ سوال کیا کہ کیا تم خدا کی قسم کھا کر کہتے ہو کہ مجھے امان دلا دو گے تو قاضی اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکے کہ احمد بن طولون نے اس کے متعلق حلف اٹھایا ہے۔ اس سے عباس کو شبہ ہوا، اور دوسری طرف ان لوگوں کو جنھوں نے اسے بغاوت پر اکسایا تھا، خوف ہوا کہ عباس مواخذے سے خود بچ بھی گیا لیکن یہ لوگ ہر حالت میں سزا کے مستوجب قرار پائیں گے۔ آخر بکار کی جماعت بے نیل مرام واپس آگئی، اور عباس اپنے ہمدردوں کے مشورے سے افریقیہ روانہ ہو گیا، جہاں کے بربری قبائل سے وہ پہلے خط و کتابت کر چکا تھا، اور بعض نے مدد کا وعدہ بھی کیا تھا۔ عباس نے ابراہیم بن الاغلب کو لکھا کہ خلیفہ معتمد نے اُسے افریقیہ اور اس کے اعمال کا حاکم مقرر کیا ہے۔ وہ حصن لبدہ پہنچا۔ اہل شہر نے دروازے کھول دئے لیکن اس کے باوجود عباس نے اہل شہر کے ساتھ بدسلوکی کی اور شہر کو لوٹ لیا۔ اب ان لوگوں نے قبیلۂ نفوسہ اور اباضیہ کے رئیس الیاس بن منصور النفوسی سے مدد مانگی۔ الیاس نے عباس کو اطاعت قبول کر لینے کے لئے لکھا۔ اُدھر

ابراہیم بن الاغلب نے اپنے خادم بلاغ کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی، اور اپنے عامل اطرابلس محمد بن قہرب کو حکم دیا کہ بلاغ کی مدد کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ الیاس، بلاغ اور محمد بن قہرب کی متحدہ فوجوں نے عباس کو شکست دی، اُس کے اموال و ذخائر لوٹ لئے، سپاہیوں کی بڑی تعداد کو تہ تیغ کیا، اور ابن الاسود کو قید و بند سے آزاد کرایا، اور وہ مصر چلا گیا۔

اب عباس نہایت بری حالت میں برقہ کی طرف پسپا ہوا۔ رمضان ۲۶۶ھ میں احمد بن طولون نے ابراہیم بن بلبرد کو ایک فوج دے کر برقہ بھیجا۔ ابراہیم اسکندریہ اور برقہ کے درمیان ٹھہرا۔ ادھر احمد بن طولون بذات خود ایک لاکھ فوج لے کر برقہ جانے کے لئے تیار ہوا۔ ۱۲ ربیع الاول ۲۶۷ھ کو جمعرات کے دن وہ فسطاط سے روانہ ہوا، اور اسکندریہ میں آکر ٹھیرا۔ اس اثنا میں الواسطی بھی عباس کی قید سے بھاگ کر اسکندریہ میں احمد بن طولون سے آملا، اور اُسے یقین دلایا کہ عباس کی شورش اتنی سنگین نہیں کہ وہ خود تکلیف کرے۔ اس لئے احمد بن طولون نے ایک اور فوج طبار کی ماتحتی میں برقہ روانہ کی۔ ۲ جمادی الثانی ۲۶۷ھ میں اس کا مقابلہ عباس سے ہوا۔ عباس نے شکست کھائی، اور اس کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد بھی قتل ہوئی۔ آخر وہ خود ۴ رجب ۲۶۸ھ کو گرفتار ہوا، اور ۱۳ رجب کو احمد بن طولون کے پاس فسطاط لایا گیا۔ تمام فتنہ پرداز لوگوں کو جنھوں نے اس شورش میں حصہ لیا تھا سخت سزائیں دی گئیں، اور عباس کو چابکوں کی سزا دیکر قید کر دیا گیا۔[۵۴] جب سب طرح کا

---

[۵۴] الکندی ص ۲۲۰-۲۲۲ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۰۷، ۱۱۱، ۱۲۳ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۱، ۳۰۲ + ابن تغری بردی ج ۳۔ ص ۴۱ + طبری نے یہ واقعہ تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ ناموں میں بہت کچھ اختلاف ہے۔ مثلاً الکندی نے محمد بن قہرب کی جگہ محمد بن قرحصب، ابن خلدون نے طبار کی جگہ طبارجی، اور ابن العذاری (البیان المغرب ج ۲۔ ص ۱۲۲) نے الیاس بن منصور کی جگہ ابو منصور لکھا ہے۔ بہر حال ناموں کے اس اختلاف سے نفس واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ابراہیم بن اغلب کا پورا نام ابراہیم بن احمد بن الاغلب ہے۔ مقریزی (ج ۱۔ ص ۳۰۲) نے عباس کے فسطاط لائے جانے کی تاریخ شوال ۲۶۸ھ لکھی ہے۔

اطمینان ہوگیا تو احمد بن طولون ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا، جنھوں نے فسطاط میں عباس کی مدد کی تھی۔ ابوضحاک محمد (یا محبوب) بن رجار کو اس بنا پر قید کیا گیا کہ اُس نے الواسطی کے خط عباس کے پاس بھیجے تھے، اور یہی خط اس بغاوت کی اصلی بنیاد تھے۔ ابو ایوب ابن اخت الوزیر اور اُس کے بیٹے کو موت کی سزا دی گئی، کیونکہ عباس نے فسطاط سے روانہ ہونے سے قبل تاجروں سے جو رقم وصول کی تھی، ابو ایوب کو حکم دیا تھا کہ اس رقم کی ادائی زرعی زمینوں کی کاشت سے جو مال وصول ہوتا ہے اُس سے کی جائے۔ ابو ایوب نے اس حکم کی تعمیل کی تھی۔ احمد بن طولون نے اس کی پاداش میں ابو ایوب کی جائداد بھی ضبط کر لی۔ اس کے متعلق تمام اطلاعات احمد بن طولون کو خود اُسی کے ایک بیٹے سے ملی تھیں۔ اب صاحب الخراج کا کام احمد بن ابراہیم الاطرش اور علی بن حسین (یا حسن) المدائنی میں تقسیم کیا گیا۔ احمد بن ابراہیم مصر کے خاندان ماذرائیون کا پہلا شخص تھا۔ اس خاندان نے مصر میں بڑا اثر و نفوذ پیدا کیا، اور فاطمیین کی فتح سے ذرا قبل تک وہاں ہر لحاظ سے تمام سیاہ و سفید کے مالک بنے رہے۔ ان کے حالات زیادہ تفصیل سے آئندہ بیان کئے جائیں گے۔ مقریزی نے اپنی کتاب المقفیٰ میں احمد بن ابراہیم کے تقرر کی تاریخ ۲۶۶ھ بیان کی ہے۔ بہت جلد علی بن حسین کو اس الزام میں معزول کیا گیا کہ اُس نے احمد بن المدبر کو ایک خط لکھا تھا، اور اس سے ہمدردی ظاہر کی تھی۔ اس طرح ماذرائی بلا شرکت غیرے مصر کا صاحب الخراج ہو گیا۔[۵۵]

عباس کی بغاوت سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی کہ احمد بن طولون کے قدم مصر میں اتنے جم گئے تھے کہ اُسے وہاں سے ہلانا ناممکن تھا۔ یہ بھی بخوبی اندازہ ہو گیا کہ درحقیقت تمام اقتدار فوج کے ہاتھ میں تھا، اور فوج جس کا ساتھ دے وہی مصر کا حکمران رہ سکتا تھا۔ احمد بن طولون کو اپنی فوج پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ اس قسم کے معاملات کو بالکل معمولی بات سمجھتا تھا، اور ان سے گھبراتا نہیں تھا۔ احمد بن طولون کے بعد ہم دیکھیں گے کہ فوج کے اس اقتدار سے اُس کی اولاد کو کتنا

---

۵۵ بیکر (بحوالۂ ابن سعید) ص ۱۶۹ - ۱۷۱ +

نقصان پہونچا، اور فوج ہی حقیقی طور پر آل طولون کی تباہی کا باعث ہوئی۔

ایک طرف تو یہ واقعات گذر رہے تھے، اور دوسری طرف احمد بن طولون ان فرائض سے بھی غافل نہیں تھا جو ثغور پر حاکم ہونے کی حیثیت سے اُس پر عائد ہوتے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اُس نے سرحد پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کے استحکامات کی مرمت کا حکم دیا تھا۔ اس کا نتیجہ جلدی ہی ظاہر ہوا۔ ۲۶۶ھ میں ثغور الشامیہ پر احمد بن طولون کے نائب نے اہل طرسوس کے تین ہزار آدمی لے کر یونانی سرحد پر حملہ کیا۔ ہرقلہ کے چار ہزار یونانیوں سے اس کا مقابلہ ہوا۔ جنگ میں دشمن کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی، مگر مسلمانوں نے بھی بہت نقصان اٹھایا[56]۔ اس کے بعد ۲۶۸ھ میں ملک الروم، ابن الصقلبیہ نے ملطیہ پر فوج کشی کی۔ اہل مرعش اور حدث نے اہل ملطیہ کی مدد کی، اور یونانیوں کو شکست دی۔ غالباً اسی حملے کے جواب میں احمد بن طولون کے حاکم ثغور الشامیہ خلف الفرغانی الترکی نے یونانی علاقوں پر فوج کشی کی اور تقریباً دس ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ اس واقعے میں اتنا مال غنیمت حاصل ہوا کہ ہر سپاہی کو چالیس دینار حصہ ملا[57]۔ ۲۶۸ھ ہی میں شام میں ایک معمولی سی شورش ہوئی۔ عبد الملک بن صالح الہاشمی کی اولاد میں سے ایک شخص بکار نے سلمیہ، حلب اور حمص کے درمیان الموفق کی موافقت میں خروج کیا، اور ابو العباس الکلابی کی فوج کو شکست دی۔ احمد بن طولون کے مولا لؤلؤ نے جسے ۲۶۸ھ ہی میں شام بھیجا گیا تھا[58]، ایک قائد ابوذر کی سرکردگی میں ایک فوج بھیجی، جس نے بکار کے آدمیوں کو منتشر کر دیا اور کوئی بڑا واقعہ پیش نہیں آیا[59]۔

---

[56] ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۱۱ + ابن الاثیر نے احمد بن طولون کے نائب یا والئی ثغور کا نام سیما لکھا ہے۔ یہ سیما الطویل تو نہیں ہو سکتا۔ پھر خلف الفرغانی الترکی وہی طخشی بن بلبرد ہے جس کا والئی ثغور مقرر ہونا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

[57] طبری ج ۱۱۔ ص ۲۵۸ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۲۳ + ابن تغری بردی ج ۳۔ ص ۴۵ + اس مصنف نے یونانی مقتولین کی تعداد ایک لاکھ لکھی ہے۔

[58] مقریزی ج ۲۔ ص ۳۲۰ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۳

[59] ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۲۳ +

(۴)

اب الموفق اور احمد بن طولون کی مخاصمت کا دوسرا باب شروع ہوا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کبھی غافل نہیں ہوئے تھے، لیکن اپنے اپنے علاقوں میں امن قائم کرنے اور اپنی قوت کو مجتمع اور استوار کرنے میں اتنے مصروف تھے کہ کسی اور طرف توجہ نہیں کر سکتے تھے۔ اب ۲۶۵ھ میں انھیں ان معاملات سے فرصت ہوئی، اور وقت آگیا کہ اس مرتبہ جھگڑے کا آخری فیصلہ کر دیا جائے۔ اس کا آغاز لُولُو مولائے احمد بن طولون کی وجہ سے ہوا۔

۲۶۵ھ میں عباس کی شورش فرو ہوگئی تو احمد بن طولون نے لُولُو کو قنسرین اور دیار مضر کا والی مقرر کیا۔ یہ احمد کا خاص معتمد علیہ تھا، مصر میں کارہائے نمایاں انجام دے چکا تھا، اور اس کے اور احمد بن طولون کے تعلقات اتنے گہرے اور دوستانہ تھے کہ احمدی دیناروں پر بھی اُس کا نام مسکوک کر دیا گیا تھا[۹۰]۔ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایسا شخص کبھی احمد بن طولون کی مخالفت پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس انحراف کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ احمد بن طولون بُخل سے کام لیتا تھا[۹۱]۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ لُولُو نے مخالفت کا آغاز اس طرح کیا کہ احمد بن طولون کے پاس سے جو خزانہ جا رہا تھا اُس پر قبضہ کر لیا[۹۲]۔ جب مخالفت علانیہ ہونے لگی تو احمد بن طولون نے لُولُو کے کاتب محمد بن اسمٰعیل کو سزا دی۔ یہی وہ شخص ہے جو بعد میں آل طولون کی تباہی اور بربادی کا باعث ہوا۔ اس پر لُولُو نے مال بھیجنا بند کر دیا۔ محمد بن اسماعیل کو بھی انجام کا خوف ہوا، اور اس نے لُولُو کو اطاعت سے انحراف پر آمادہ کیا۔ لُولُو کی طرف سے اب مخالفت کا اظہار اس طرح ہوا کہ اُس نے بالس کو لوٹ لیا، پھر الموفق سے خط و کتابت شروع کی، اور مفید مطلب شرائط حاصل کرنے کے بعد اُس کی طرف روانہ ہو گیا۔ الموفق اس زمانے میں رقّہ میں

---

۹۰ بیکر ص ۱۷۴ + لین پول ص ۶۸ - حاشیہ ۹۱ بیکر (بحوالۂ نویری) ص ۱۷۴ +

۹۲ بیکر (بحوالۂ نویری) ص ۱۷۴ +

مقیم تھا۔ لُولُو راستے میں قرقیسیا سے گذرا، جہاں ابن صفوان العقیلی موجود تھا۔ لُولُو نے قرقیسیا سے اُسے بے دخل کر کے شہر احمد بن مالک بن طوق کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد وہ الموفق کی طرف چلا جو حسب سابق صاحب الزنج کے محاصرے میں مصروف تھا۔ جمادی الاولیٰ ۲۶۹ھ میں براہ دریا لُولُو وہاں پہنچا، اور اس محاصرے میں شریک ہوا۔ آخر کار الموفق نے اُسے موصل کا حاکم مقرر کر دیا۔ مگر افسوس ہے کہ لُولُو کا انجام اچھا نہیں ہوا۔ ۲۷۳ھ میں الموفق نے اُسے گرفتار کرایا، اور چار لاکھ دینار جرمانہ کیا۔ اس سے لُولُو بالکل مفلس ہو گیا، اور ہارون بن خمارویہ کے زمانے میں ازیں سو رانده و ازاں سو درمانده فقر و فاقہ کی حالت میں مصر واپس ہوا۔[۹۳]

احمد بن طولون کو جب لُولُو کے انحراف کی خبر ملی تو وہ اُس کی طرف سے مایوس نہیں ہوا بلکہ اپنے بیٹے خمارویہ کو مصر میں چھوڑ کر صفر ۲۶۹ھ میں اس امید پر شام روانہ ہوا کہ اب بھی لُولُو اُس کا وفادار ثابت ہو گا۔[۹۴] لیکن لُولُو اس کے شام پہنچنے سے قبل ہی الموفق کے پاس پہونچ چکا تھا۔ اب معاملات انتہائی درجہ نازک ہو گئے تھے، اور ضرورت تھی کہ ان کا فیصلہ کر لیا جائے۔ اتفاق سے اُسی زمانے میں خلیفہ معتمد کا ایک خط احمد بن طولون کے پاس آیا۔ معتمد کی حالت یہ تھی کہ وہ محض برائے نام خلیفہ رہ گیا تھا، حتیٰ کہ کسی چھوٹے یا بڑے معاملے میں توقیع بھی نافذ نہیں کر سکتا۔ تمام امر و نہی الموفق کے قبضۂ اقتدار میں تھا، اور محاصل تک اسی کے نام اور اسی کی طرف سے جمع ہوتے تھے۔ معتمد ان حالات سے بیزار تھا۔ اُس کی نظر احمد بن طولون پر پڑی، اور وہ یہ سمجھا کہ

---

[۹۳] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۳ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۲۳، ۱۳۱ + الکندی ص ۲۲۴ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۴۵ + طبری ج ۱۱ ص ۲۹۵، ۲۹۶ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۲۰ + ابن خلدون نے قرقیسیا کے بجائے رقّہ لکھا ہے۔ لیکن ابن الاثیر اور طبری کا قول جنھوں نے قرقیسیا لکھا ہے، زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ رقّہ کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ لُولُو کا صدر مقام رقّہ تھا، اور پھر آگے لکھا ہے رقّہ پر ابن صفوان العقیلی قابض تھا۔ ابن الاثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ اُس وقت الموفق رقّہ میں تھا۔ اس کے علاوہ دیکھو بیکر (ص ۴۷) جس نے ابن سعید سے استفادہ کیا ہے +

[۹۴] الکندی ص ۲۲۴ +

احمد بن طولون کی مدد سے وہ الموفق کے پنجے سے رہائی پاسکتا ہے[۹۵]۔ دوسری طرف الموفق کو بھی احمد بن طولون سے اس وجہ سے نفرت تھی کہ خلیفہ معتمد اس کی جانب مائل ہے۔ ایک دوسری روایت ابن خلدون[۹۶] نے بیان کی ہے کہ لولو کی بغاوت اور اس کے الموفق سے مل جانے کے سبب سے خود احمد بن طولون نے خلیفہ کو مصر آنے کی دعوت دی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ روایت صحیح ہو، اور معتمد نے اپنی روانگی کی آخری اطلاع احمد بن طولون کو دی ہو۔ گو احمد بن طولون کے اہل الرائے مشیروں نے اسے خلیفہ کے معاملات سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا، اور کہا تھا کہ معتمد اور الموفق آخر ایک ہی ہیں، مگر وہ باز نہ آیا، اور خلیفہ کا فسطاط آنا قبول کرلیا، بلکہ یہ بھی ارادہ کیا کہ خلیفہ کی مدد کے لئے اپنا ایک لشکر رقہ بھیج دے۔ اسی زمانے میں یہ بھی خبر ملی کہ الموفق کو صاحب الزنج پر فتح ہونے ہی والی ہے۔ اس لئے اور بھی عجلت سے کام لیا گیا۔ ادھر معتمد نے الموفق کی عدم موجودگی کو غنیمت سمجھا اور نصف جمادی الاولیٰ ۲۶۹ھ میں قائدوں کی ایک جماعت کے ساتھ روانہ ہوگیا[۹۷]، اور شکار کھیلنے کے لئے الکحیل میں ٹھیرا۔ مگر اس سے قبل ہی الموفق کے کاتب صاعد بن مخلد نے، جسے ابن الاثیر نے الموفق کا وزیر لکھا ہے، اپنے آقا کی طرف سے اسحاق[۹۸] بن کنداج، عامل موصل و جزیرہ کو لکھا کہ ان لوگوں کو گرفتار کرلیا جائے۔ خلیفہ کی جماعت جب ابن کنداج کے اعمال میں داخل ہوئی تو اس نے اطاعت کا اظہار کیا، اور اپنے آپ کو معتمد کا ہمدرد بتایا۔ وہ خود بھی خلیفہ کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ جب یہ جماعت احمد بن طولون کے اعمال کے قریب پہنچی تو ابن کنداج نے نوکروں اور غلاموں کو تو آگے روانہ کردیا، مگر قائدوں کو روک لیا، اور معتمد کی موجودگی میں

---

[۹۵] ابن الاثیر ج ۷، ص ۱۳۱ +   [۹۶] تاریخ۔ ج ۴ ص ۳۰۳ +

[۹۷] ابن الاثیر ج ۷، ص ۱۳۱ + طبری ج ۱۱، ص ۲۹۹، ۳۰۰ + ابن خلدون ج ۴، ص ۳۰۳ + ابن خلدون نے بجائے ۲۶۹ھ کے ۲۶۸ھ لکھا ہے لیکن ابن الاثیر کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اور طبری اس سے متفق ہے۔

[۹۸] ابن الاثیر نے یہ نام اسحاق بن کنداج اور ایک اور جگہ اسحاق بن کنداجیق لکھا ہے۔ ابن خلدون کی تاریخ میں ابو اسحاق بن کنداج ہے +

ان سے گفتگو کی کہ اب تم اعمال احمد بن طولون کے قریب ہو، اور چند دن میں اسی کا حکم تم پر ناطق ہوگا، حالانکہ وہ بھی تمہارے ہی جیسا ایک امیر اور امیر المومنین کا مولا ہے۔ اس بحث مباحثے میں دن چڑھ آیا، اور معتمد آگے روانہ نہ ہوسکا۔ ابن کنداج نے قائدوں سے کہا کہ وہ سب خلیفہ سے الگ اس امر پر غور کرلیں تو بہتر ہے۔ یہ کہ کر وہ انھیں اپنے خیمے میں لے آیا، اور یہاں انھیں گرفتار کرکے پابہ زنجیر کردیا، اور باقی ماندہ قائدوں کو بھی خلیفہ کے ساتھ رہ گئے تھے قید کرلیا۔ ان سے فارغ ہوکر وہ معتمد کے پاس آیا اور اسے اپنے دار الخلافہ کو چھوڑنے، اپنے آباؤ اجداد کے طرز عمل کو ترک کرنے اور اپنے بھائی الموفق سے مخالفت مول لینے پر ملامت کی، حالانکہ یہی الموفق اس کے ایسے دشمن سے لڑ رہا ہے جو اس کے اہل بیت کے خون کا پیاسا اور ان کی بربادی کا تواہاں ہے۔ اس کے بعد ابن کنداج خلیفہ کو سامرا لے آیا[۹۹]۔ ۴ شعبان کو معتمد سامرا واپس پہونچا۔ اسے دار الخلافہ میں اترنے کی اجازت نہیں دی گئی، بلکہ سیوطی[۱۰۰] کے مطابق احمد بن الخصیب کے مکان میں اتارا گیا، اور پانچ سو آدمی اس لئے مقرر کئے گئے کہ خلیفہ کو دار الخلافہ نہ جانے دیں۔

صاعد بن مخلد اور اسحاق بن کنداج نے الموفق کی بڑی خدمت انجام دی تھی۔ اس کے صلے میں اس نے صاعد کو ذو الوزارتین کا اور ابن کنداج کو ذو السیفین[۱۰۱] کا خطاب دیا، خلعت سے سرفراز کیا، اور ان قائدوں کی جاگیریں (ضیاع) ضبط کرکے، جنھوں نے معتمد کا ساتھ دیا تھا، اسے عطا کیں[۱۰۲]۔ اس کے علاوہ الموفق نے احمد بن طولون کے تمام اعمال پر بھی ابن کنداج کو حاکم مقرر کیا اور باب الشماسیہ سے برقہ تک تمام ممالک اس کے سپرد کر دئے، اور شرطۃ الخاصہ کے عہدے پر مامور کیا[۱۰۳]۔ صرف یہی نہیں بلکہ جب ابن کنداج معتمد کو ساتھ لے کر سامرا آیا ہے تو

---

۹۹ طبری ج ۱۱۔ ص ۲۹۹، ۳۰۰ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۳۱ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۳ +

۱۰۰ تاریخ الخلفا، ص ۳۴۲ + اس کے علاوہ دیکھو طبری ج ۱۱۔ ص ۳۰۱ +

۱۰۱ سیوطی (ص ۳۴۲) نے ذو السدین، لیکن طبری (ج ۱۱۔ ص ۳۰۱) نے ذو السیفین لکھا ہے۔

۱۰۲ سیوطی تاریخ الخلفا، ص ۳۴۲ +

۱۰۳ ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۳۲ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۲۰ +

صاعد بن مخلد، ہارون بن الموفق اور دوسرے قائدوں نے اس کا استقبال کیا، اسے جوسق میں اُتارا گیا، اور یہ لوگ رات کے کھانے میں بھی اس کے ساتھ شریک ہوئے[۱۰۴]۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ احمد بن طولون کو اُس کے اعمال سے معزول کر دیا گیا ہے۔ اس کا جواب احمد بن طولون نے بھی دیا۔ سیوطی کے مطابق وہ اس وقت دمشق میں تھا[۱۰۵]، اور مقریزی کے مطابق وہ اب دمشق آیا[۱۰۶]۔ اور اپنے اعمال کے تمام فقہا، و قضاۃ کو جمع کیا۔ اس نے اہل مصر کے نام ایک خط لکھا کہ الموفق نے خلیفہ معتمد کی بیعت کو فسخ کر کے اُسے احمد بن الخصیب کے مکان میں قید کر دیا ہے، اور خلیفہ پر ایسی گزر رہی ہے جس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ جمعہ کے دن خطیب نے خطبے میں خلیفہ کے مصائب کا ذکر کیا۔ مصر سے قاضی ابو بکرہ بکار بن قتیبہ اور دیگر فقہا کی جماعت دمشق آئی، اور شام اور ثغور کے فقہا بھی وہاں جمع ہوئے۔ اس مجلس نے ایک فیصلہ مرتب کیا، جس کے مطابق الموفق کو خلیفہ کی مخالفت اور اُسے قید کر دینے کی بنا پر ولی عہدی سے معزول کیا گیا، اور چونکہ اُس نے خلیفہ کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اُس کے خلاف جہاد واجب قرار دیا گیا۔ سوائے قاضی بکار کے تمام حاضرین نے اس کی شہادت دی۔ قاضی بکار نے احمد بن طولون سے کہا کہ جب الموفق ولی عہد مقرر کیا گیا ہے تو تم نے معتمد کا فرمان پیش کیا تھا، اب تاوقتیکہ معتمد ہی طرف سے اُس کی معزولی کا فرمان نہ دکھاؤ میں کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ احمد بن طولون نے عذر کیا کہ خلیفہ اس وقت مھجور و مقہور ہے۔ مگر قاضی نے یہ عذر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر احمد بن طولون کو بہت غصہ آیا، اور اُس نے کہا کہ لوگوں میں جو یہ بات مشہور ہو گئی ہے کہ تم عدیم المثال قاضی ہو اس سے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم سٹھیا گئے ہو۔ اس کے بعد اُس نے قاضی بکار کو قید کر دیا، اور جو فیصلہ مجلس نے کیا تھا اُسے شائع کر دیا۔ یہ ذو القعدہ ۲۶۹ھ کا واقعہ ہے[۱۰۷]۔

---

[۱۰۴] طبری ج ۱۱۔ ص ۱۰۳ + [۱۰۵] تاریخ الخلفاء ص ۳۴۳ [۱۰۶] خطط ج ۱۔ ص ۳۲۰ +

[۱۰۷] مقریزی ج ۱۔ ص ۳۲۰ + سیوطی۔ تاریخ ص ۳۴۳، ۳۴۴ + الکندی ص ۲۲۴ - ۲۲۶ +

بیکر نے یہاں لکھا ہے کہ احمد بن طولون نے خلیفہ سے دوستی اور ہمدردی جو اظہار کیا تھا وہ محض دکھاوا تھا۔ جب وقت آیا تو بجائے اس کے کہ اپنی فوج لے کر فوراً خلیفہ کو چھڑانے کی کوشش کرتا۔ اُس نے صرف اسی پر اکتفا کیا کہ الموفق کے ساتھ اب تک جو وابستگی رہ گئی تھی اُسے بھی خلیفہ کا نام لے کر ختم کر دے۔ ولی عہد خلافت کی حیثیت سے الموفق کا نام خطبے میں لیا جاتا تھا، اسے بھی موقوف کر دیا، اور طراز پر سے بھی اُس کا نام مٹا دیا[١٠٨]۔ لیکن چونکہ وہ کوئی کام خلاف قانون نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے باضابطہ طور پر فقہا و قضاہ کی مجلس منعقد کر کے الموفق کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ حالانکہ یہ فتویٰ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، اور اسی قسم کا ایک فتویٰ تھا جو ہندوستان اور مصر میں ایسے موقعوں پر آج کل بھی شائع ہوتے رہتے ہیں[١٠٩]۔ لیکن تصویر کا ایک رُخ اور بھی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ان واقعات سے قبل ہی ثغور پر فتنہ و فساد پھوٹ پڑا تھا، اور یونانیوں کے حملے شروع ہو گئے تھے، اور چونکہ ان جھگڑوں کی وجہ سے احمد بن طولون اس طرف توجہ نہیں کر سکا تھا اس لئے وہاں کے حالات روز بروز اور بھی خراب ہوتے جا رہے تھے، اور خلیفہ کی فوری مدد کرنے سے معذور تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری تھا کہ اتنا بڑا اقدام کرنے سے پہلے احمد طولون رائے عامہ کو اپنا ہمدرد بنانے کی کوشش کرتا، اور شروع ہی میں یہ اعلان کر دیتا کہ یہ کش مکش خلیفہ کے خلاف نہیں بلکہ اُس کی طرف داری میں ہے۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کر سکے اُس کا انتقال ہو گیا، اور الموفق کے ساتھ اس کا جو جھگڑا تھا وہ اُس کے بیٹے خمارویہ کو ورثے میں ملا۔

بہر حال احمد بن طولون نے جب یہ طرز عمل اختیار کیا تو الموفق بھی خاموش نہیں رہا۔ وہ پہلے ہی احمد بن طولون کو اُس کے اعمال سے معزول کر چکا تھا۔ اب مجبور و مقہور خلیفہ معتمد نے طوعاً و کرہاً دار العامہ میں احمد بن طولون پر لعنت بھیجی اور حکم دیا کہ تمام منبروں پر سے اُس پر لعنت کی جائے۔ چنانچہ جعفر المفوض نے بغداد کی جامع مسجد میں اُس پر لعنت بھیجی[١١٠]۔ خلیفہ کا یہ حکم بے اثر نہیں رہا۔

---

[١٠٨] ابو الفداء ج ۲۔ ص ۵۳ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۳۲۔ [١٠٩] بائی تراگ۔ ص ۱۷۷، ۱۷۸ +

[١١٠] طبری ج ۱۱۔ ص ۴۰۳۰ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۲۰ + الکندی ص ۲۲۸، ۲۲۹ +

ذو القعدہ ۲۶۹ھ ہی میں ہم اس کی صدائے بازگشت مکہ میں سنتے ہیں۔ احمد بن طولون اس لعنت سے بچنا چاہتا تھا۔ اس نے دو قائدوں کے ماتحت ایک لشکر مکہ روانہ کیا۔ ستر سوار اور دو ہزار پیادوں کے ساتھ یہ دونوں قائد ۲۷ / یا ۲۸ / ذو القعدہ کو مکہ پہونچے، اور گندم فروشوں (حناطین) اور قصابوں (جزارین) میں مال تقسیم کیا۔ مکہ کا حاکم ہارون بن محمد بستان ابن عامر میں مقیم تھا۔ وہ اس لشکر کے خوف سے بھاگ گیا۔ اب جعفر الناعمودی (یا طبری کے مطابق الباغودی) ۳ / ذی الحجہ کو تقریباً دو سو سواروں کے ساتھ مکہ آیا۔ ہارون کو ڈھارس ہوئی، اور ایک سو بیس سواروں اور سو حبشیوں کے ساتھ وہ بھی الناعمودی سے آملا۔ اس کے علاوہ عمرو بن لیث کے تین سو سواروں اور دو سو حبشیوں نے بھی اس کی مدد کی۔ عراق کے دو سو سوار بھی اس جھگڑے میں شریک ہوئے۔ احمد بن طولون اور جعفر الناعمودی کی فوج میں جنگ ہوئی۔ احمد بن طولون کے تقریباً دو سو آدمی بطن مکہ میں قتل ہوئے اور باقی ماندہ پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ ان کا مال و اسباب لوٹا گیا۔ مصریوں، گندم فروشوں اور قصابوں کو امان دی گئی۔ احمد بن طولون پر لعنت بھیجنے کا فرمان مسجد حرام میں پڑھا گیا۔[۱۱۱] اس سے وہ بچنا چاہتا تھا کیونکہ مسجد حرام میں اس فرمان کے پڑھے جانے کا مطلب یہ تھا کہ اس کا اعلان اب تمام اسلامی دنیا میں کر دیا گیا ہے۔

الموفق نے جو طرزِ عمل احمد بن طولون کے خلاف اختیار کیا تھا اس کا سب سے زیادہ اثر ثغور الشام پر ہوا۔[۱۱۲] ان دونوں کے آخری جھگڑے سے قبل یا اسی دوران میں طخشی بن بلبرد جس کا

---

۱۱۱ طبری ج ۱۱ ص ۳۰۴ + ابن الاثیر ج ۷ ص ۱۳۲ + ابن خلدون ج ۴ ص ۳۳۱ + اس سے قبل ۲۶۶ھ میں ایک اور جھگڑا مکہ ہی میں احمد بن طولون اور عمرو بن لیث کے آدمیوں میں حج کے موقعہ پر ہو چکا تھا۔ باعث نزاع یہ تھا کہ مسجد ابراہیم کے منبر کے داہنے جانب فریقین میں سے کس کا جھنڈا نصب کیا جائے۔ اس وقت بھی ہارون بن محمد مکہ کا حاکم تھا۔ عمرو بن لیث کا پلہ بھاری تھا اس لئے اس کی بات مانی گئی۔ مگر موقع کی نزاکت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہارون بن محمد نے خطبہ قصر کر دیا تھا۔

۱۱۲ محمد کرد علی (خطط الشام ج ۱ ص ۲۰۴) نے مازیار کی شورش کو احمد بن طولون پر لعنت بھیجے جانے کا سبب قرار دیا ہے۔ اس مہم کی تاریخوں میں اختلاف ہے۔ طبری اور ابن تغری بردی کے مطابق یہ ۲۶۵ھ کا واقعہ ہے لیکن ابن خلدون کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہم ۲۶۹ھ اور ۲۷۰ھ دونوں سنین میں جاری رہی تھی۔

نام خلف الفرغانی تھا، ثغور پر حاکم تھا اور طرسوس اُس کا صدر مقام تھا۔ فتح بن خاقان کا خادم (مولا) مازیار (بازمان یا بازمار) بھی وہیں تھا۔ خلف کو اس پر انحراف اطاعت کا شبہ ہوا، اور اسی شبہ پر اُسے گرفتار کر لیا گیا۔ مگر اہل طرسوس نے شور و غوغا کر کے اُسے قید سے چھڑا لیا۔ یہ ۲۶۹ھ کا واقعہ ہے[113]۔ خلف نے بھاگ کر دمشق میں پناہ لی۔ ادھر اہل طرسوس نے منبر پر سے احمد بن طولون پر لعنت بھیجنی شروع کی۔ یہ اطلاعات ملنے پر احمد بن طولون مصر سے چلا، اور پہلے دمشق آیا، اور یہاں سے ثغور الشام میں اَذنہ پہنچ کر اُس نے خط و کتابت کے ذریعے مازیار کو مطیع کرنا چاہا۔ مگر بے سود۔ مطیع ہونے کے بجائے مازیار طرسوس میں قلعبند ہو گیا، اور فصیل پر منجنیقیں لگا دیں۔ احمد بن طولون اُذنہ سے حمص آیا پھر دمشق گیا اور پھر واپس ہوا، اور سردی کے موسم میں بارش اور برف باری کی حالت میں مازیار کا محاصرہ کیا، مگر کامیاب نہیں ہوا، بلکہ مازیار نے اُسی کی چھاؤنی لوٹ لی، اور دریائے بردان کا رُخ اُس کی چھاؤنی کی طرف بدل کر پوری چھاؤنی کو غرقاب کر دیا۔ مجبوراً احمد بن طولون نے طرسوس کا محاصرہ اٹھا لیا، اور اَذنہ واپس آ گیا۔ پھر وہاں سے مصیصہ گیا۔ یہیں مصیصہ میں بیمار ہوا۔ بیماری کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ بھینس کا دودھ بڑی مقدار میں پی گیا تھا، جس سے تخمہ میں مبتلا ہوا۔ طبیب کی ہدایت کے باوجود وہ چھپا کر کھاتا پیتا رہا، اور بالآخر اُس کا جگر ماؤف ہو گیا۔ جب یہ حالت ہوئی کہ گھوڑے پر بیٹھنا بھی مشکل ہو گیا تو اس حالت میں وہ بسرعت تمام واپس ہوا۔ اُسے بہ مشکل فرماتک لائے۔ وہاں سے وہ مصر لایا گیا۔ بیماری کی حالت میں اُس کا غیظ و غضب ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت سے عمائد کو طرح طرح کی سزائیں دیں۔ انھیں میں اُس کا طبیب سعد بن نوفیل[114] تھا۔ جب بیماری نے طول پکڑا تو اہل فسطاط اس کے حکم سے ۲ شوال ۲۷۰ھ کو اُس کے لئے دعا کرنے کی غرض سے جبل مقطم کی مسجد محمود میں جمع ہوئے۔ مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں نے

---

[113] طبری ج ۱۱۔ ص ۲۹۶ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۴ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۴۶ +

[114] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۴ + ابن تغری بردی ج ۲ ص ۱۸۱۔ سعد بن نوفیل النصرانی، احمد بن طولون کا طبیب +

اپنی اپنی مقدس کتابیں لے کر دعائیں کیں[۱۱۵]۔ مگر بے اثر۔ بالآخر ۱۰ ذوالقعدہ ۲۷۰ھ کو سولہ برس حکومت کرنے کے بعد اُس کا انتقال ہوگیا[۱۱۶]۔ مرنے سے پہلے اُس نے اپنے خیرخواہوں اور موالی کو جمع کر کے اپنے بیٹے ابو الجیش خمارویہ کو ولی عہد مقرر کیا، اور وصیت کی کہ یہ لوگ اُس کی خبر گیری کریں۔ اس تقرر سے عباس کی طرف سے جو خطرہ تھا اُس کا سد باب ہوگیا[۱۱۷]۔

خلیفہ معتمد کو احمد بن طولون کے مرنے کا سخت رنج ہوا۔ وہ اس کے مرثیہ میں کہتا ہے[۱۱۸]؎

الی اللہ اشکو اسی عرالی کو قعم الاسل
علی ر جل ار و ع یری فیہ فضل الوجل
شھابٌ خفی وقدہٗ وعارض غیثٍ اُفل
شکت دولتی فقدَّہ وقد کان زین الدول

احمد بن طولون کی وفات سے قبل الموفق سے کسی قسم کا سمجھوتا نہیں ہوسکا تھا لیکن بکر نے[۱۱۹]

---

۱۱۵ ابن ایاس ج ۱۔ ص ۳۹ + الکندی ص ۲۳۲ +

۱۱۶ الکندی ص ۲۳۳ + ابن خلکان (ج ۱۔ ص ۵۵) نے ۱۰ کے بجائے ۲۰ ذوالقعدہ لکھا ہے۔ ابن خلدون (ج ۴۔ ص ۳۰۴) نے اس کا سنہ وفات ۲۷۶ھ لکھا ہے، مگر یہ یقیناً طباعت کی غلطی ہے۔ اسی طرح اس مورخ نے ابن الاثیر (ج ۷۔ ص ۱۳۶) نے اور ان کے علاوہ ابو الفداء (ج ۱۔ ص ۵۳) نے اس کا زمانۂ ولایت چھبیس برس بیان کیا ہے۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ کیوں کہ سب اس پر متفق ہیں کہ ۲۵۴ھ میں وہ مصر کا حاکم مقرر ہوا تھا، اور ۲۷۰ھ میں اس کا انتقال ہوا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ محمد کرد علی (خطط الشام ج ۱۔ ص ۲۰۳) نے بلا سوچے سمجھے اس غلط حساب کی پیروی کی ہے، اور اس کا زمانۂ ولایت چھبیس برس قرار دیا ہے۔

۱۱۷ طبری ج ۱۱۔ ص ۲۹۶ + الکندی ص ۲۲۹-۲۳۲ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۳۶، ۱۳۷ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۴ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۴۶ +

۱۱۸ الکندی ص ۲۳۲ + مقریزی ج ۱۔ ص ۳۲۱ +

۱۱۹ بائی تراگ ص ۱۷۹، ۱۸۰ +

نویری کے حوالے سے لکھا ہے کہ الموفق نے نہایت ہوشیاری سے احمد بن طولون کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی تھی، مگر صلح کی تکمیل سے پہلے اُس کا انتقال ہو گیا۔ دونوں کو اپنی قوت کا پورا اندازہ تھا۔ احمد بن طولون کے لئے ممکن نہ تھا کہ الموفق کی فاتح فوج کا مقابلہ کر سکتا، اُدھر الموفق بھی جانتا تھا کہ احمد بن طولون سے عہدہ برآ ہونا مشکل ہے۔ دونوں نے اپنی حالت پر قانع رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دونوں لعنت بھیجنے کا عمل موقوف کر چکے تھے۔ اس لئے اگر احمد بن طولون کا انتقال نہ بھی ہوتا تو بھی یہ دونوں حریف میدان میں نہ اترتے، اور صلح و امن کا زمانہ شروع ہو جاتا۔ لیکن اگر لڑتے تو بھی نہ سیاسیات میں کوئی تبدیلی ہوتی اور نہ ایک دوسرے کے حلقۂ اثر میں۔

(باقی)

مسٹر کینس اور مالیات جنگ

از

جناب مولوی امتیاز حسین خاں صاحب - بی - کام (لندن)
شعبۂ معاشیات جامعہ عثمانیہ سرکار عالی۔

واٹرلو کی لڑائی کے متعلق کسی کا یہ کہنا کہ وہ اٹین کے کھیل کود کے میدانوں میں جیتی گئی تھی۔ صحیح ہو یا غلط موجودہ زمانے کی جنگوں کے متعلق یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ وہ لڑنے والے ملکوں کے کارخانوں کھیتوں اور محلوں میں جیتی یا ہاری جاتی ہیں۔ ان کے مسائل اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ جب تک ان کی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے بہترین دماغوں سے کام نہ لیا جائے حل کرنا دشوار اور مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر جنگ نہ ہوتی تو بھی دماغ انسانیت کی بہبودی اور بہتری کے لئے کچھ سوچ بچار کرتے۔ یہ مسئلہ کہ کسی ملک کی حکومت جنگ کے اخراجات کس طرح سے پورے کرے اگر فوجی حکمت عملی میں سب سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تو بہت زیادہ اہم ضرور کہا جا سکتا ہے۔ آج تک کسی حکومت کو جنگ میں فتح محض اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اس کی مالیاتی پالیسی درست اور بہتر تھی اور نہ ہی قوموں کی شکست کا باعث خراب اور غلط مالیاتی پالیسی ہوتی ہے۔ آج کل فتح اسی قوم کو ہوتی ہے جس کے ہاں زیادہ سے زیادہ معاشی وسائل موجود ہوں یا پھر کسی دوسری قوم سے معاشی وسائل حاصل کئے جا سکتے ہوں۔ جنگ میں فتح کا انحصار لڑنے والوں کی تعداد اور جنگی ساز و سامان کی بروقت موجودگی پر ہوتا ہے۔ لیکن مالیات جنگ کی اہمیت کو بالکل فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح اور غلط مالیاتی پالیسی کے

مصر آل طولون کے عہد میں

(بسلسلۂ جنوری ۱۹۴۲ عیسوی)

از
جناب محمد جمیل الرحمن ایم۔ اے۔ پروفیسر تاریخ۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

(۵)

مورخ اس بات پر متفق ہیں[۱۲۰] کہ احمد بن طولون عقلمند، محتاط اور سیاس شخص تھا، دین دار تھا اور علماء و اہل دین کو عزیز رکھتا، خیرات و مبرات میں پیش پیش تھا؛ اور مصالح مسلمین ہمیشہ اس کے مدنظر رہتے تھے۔ عقاید کے لحاظ سے وہ شافعی مذہب کی طرف مائل تھا، اور اس مذہب کے لوگوں سے عزت و تکریم سے پیش آتا تھا، عادل، جواد، اور شجاع تھا، تمام کام بذات خود انجام دینے کا عادی تھا، اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا تھا۔ چنانچہ مقریزی[۱۲۱] نے لکھا ہے کہ جہاں تک اُسے علم ہے امراء مصر میں مظلوموں کی فریاد سننے اور اُن کے مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے بذات خود اجلاس کرنے والا پہلا امیر ابو العباس احمد بن طولون تھا، اور اُس نے ہفتے میں دو دن اس کام کے لئے مخصوص کر رکھے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی مورخ یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ خون ریزی میں جلدی کرتا تھا اور جب مصر و شام کا والی ہوا تو اس نے بہت مظالم کئے اور بے حد خون ریزی کی۔ چنانچہ قضاعی کی روایت نقل کی گئی ہے کہ اُس کے قید و بند میں اور تلوار سے اٹھارہ ہزار انسانوں کا خون ہوا تھا۔ مگر ابو صالح الارمنی نے

[۱۲۰] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۴ + ابن تغری بردی ج ۲ ص ۱۲ + ابن الاثیر ج ۷، ص ۱۳۶ + ابن خلکان ج ۱۔ ص ۵۵۔

[۱۲۱] خطط ج ۲۔ ص ۲۰۷۔

جس کی تاریخ ۵۶۴ھ میں لکھی گئی ہے، ان مقتولین کی تعداد صرف دو ہزار بتائی ہے[۱۲۲]۔

لیکن یہ حالات پڑھتے وقت اس کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ احمد بن طولون ایسے زمانے میں گذرا ہے جب کہ کوئی شخص جو اپنی قوت مجتمع کرنا اور بڑھانا چاہتا ہو خون ریزی سے گریز نہیں کرسکتا تھا، بلکہ اس سے محترز رہنا خودکشی اور مکمل تباہی کے مترادف تھا۔ اس افرا تفری کے زمانے میں ہمیں متعدد شخصیتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں احمد بن طولون کی تمام خوبیاں مفقود اور تمام برائیاں موجود تھیں۔ اصلی میعار جس سے ہمیں احمد بن طولون کے کارناموں کو جانچنا چاہئے یہ ہے کہ اس سولہ برس کے عرصے میں اہل مصر اس کی حکومت پر کہاں تک بھروسہ کرتے تھے ہم نے دیکھا کہ جب وہ مصر آیا ہے تو وہاں ہر طرف فساد پھیلا ہوا تھا، اور بالخصوص علویوں کی شورشیں جاری تھیں۔ ان فسادوں اور شورشوں کو اُس نے فرو کیا۔ اس کے بعد صرف اس کے بیٹے عباس کی وجہ سے مصر میں ایک مرتبہ فساد پھیلا۔ اہل مصر کے لئے بہت ہی اچھا موقع تھا کہ اگر وہ احمد بن طولون کی حکومت اور اس کے طرز عمل سے نالاں ہوں تو عباس کا ساتھ دے کر حکومت تبدیل کردیں۔ لیکن واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل مصر نے اس بغاوت سے کوئی دلچسپی نہیں لی، اور مجبوراً عباس کو مصر کے باہر ہمدرد تلاش کرنے پڑے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس کی ناکامی کا بڑا سبب یہی تھا کہ اہل مصر اس سے بالکل الگ رہے، اور بقیۃ العمر اُسے قید و بند میں گزارنی پڑی۔ اس مدت میں بھی اہل مصر کی طرف سے کوئی کوشش عباس کو چھڑانے یا اپنے آپ کو احمد بن طولون کے پنجے سے نجات دلانے کے لئے نہیں ہوئی۔ عباس کی بغاوت بہت خطرناک بن سکتی تھی۔ اس نازک وقت میں احمد بن طولون کی کامیابی کے دو اسباب تھے: ایک اہل مصر کا اس شورش سے الگ رہنا، اور دوسرے اُس کی فوج کی وفاداری۔

حقیقت میں دیکھا جائے تو احمد بن طولون کی تمام کامیابیوں کا دارومدار اُس کی فوج پر تھا، اور یہ فوج نہایت ہی تندہی اور فراست سے جمع اور مرتب کی گئی تھی۔ یوں تو خلیفہ معتصم کے

---

[۱۲۲] ابو صالح الارمنی ص ۳۷ +

زمانے ہی سے مصری فوج میں ترکی عنصر بڑھنا شروع ہو گیا تھا، اور پھر اشناس کے حاکم مقرر ہونے سے سیاست اور شہری حکومت میں بھی ترکوں کو اثر و نفوذ حاصل ہو گیا تھا۔ لیکن ۲۴۲ھ میں جب عرب امراء آنے بند ہو گئے، اور ترکوں نے ان کی جگہ لی، تو یہ تبدیلی مکمل ہو گئی۔ ۲۵۴ھ میں جب احمد بن طولون نے وادیٔ نیل میں قدم رکھا ہے تو یہ تبدیل شدہ حالات مصری زندگی کا جزء بن چکے تھے، اور کوئی حوصلہ مند بالغ نظر حاکم ان ترکی عناصر کی مدد سے وہاں ایک مستقل جگہ پیدا کر سکتا تھا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ مصر میں آنے کے بعد بہت جلد خلیفہ کے حکم سے اُسے مستقل فوج مرتب کرنے کا موقع مل گیا، اور مصر کے خزانے سے ضروری اخراجات کی پابجائی کر دی گئی تھی۔ اس سے احمد بن طولون نے پورا فائدہ اٹھایا۔ مقریزی[۱۲۳] کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ اُس نے مصری فوج کی بالکل نئی تنظیم کی تھی۔ یہ فوج چوبیس ہزار ترک غلاموں کے علاوہ چالیس ہزار سوڈانی غلاموں اور سات ہزار مرتزق سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ چالیس ہزار سوڈانی غلاموں میں غالباً یونانی (رومی) غلام بھی شریک تھے، جن کا ذکر مقریزی[۱۲۴] نے ایک موقع پر کیا ہے۔ غلام ہونے کی حیثیت سے ممکن ہے کہ سوڈانیوں اور یونانیوں کو تنخواہیں نہ ملتی ہوں، گو ان کے تمام اخراجات حکومت برداشت کرتی تھی۔ لیکن سات ہزار مرتزق سپاہی یقیناً تنخواہ دار تھے۔ ان کے علاوہ ضرور ہے کہ اس نئی فوج میں مصر کے تھوڑے بہت عرب بھی شریک کئے گئے ہوں، لیکن ان کی تعداد بیان نہیں ہوئی، اور حقیقت یہ ہے کہ فوج میں عربی اور مصری عناصر کو احمد بن طولون کے بیٹے خمارویہ نے شریک کیا تھا۔ یہ فوج ناآزمودہ کار تھی، اور اس قابل نہیں تھی کہ میدان جنگ میں بھیجی جائے۔ مگر حسن اتفاق سے ابن الشیخ کے خلاف کوئی جنگ پیش نہیں آئی اور اس نئی مرتب شدہ فوج کا کوچ محض ایک مناورہ ثابت ہوا۔ احمد بن طولون نے صرف فوج جمع کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ سپاہیوں سے حلف لیا کہ وہ ہر حالت میں اس کے وفادار رہیں گے۔ اس کے بعد جب عباس کی بغاوت ہوئی تو ایک مورخ کے مطابق

---

۱۲۳ خطط ج ۱۔ ص ۳۱۵۔

۱۲۴ خطط ج ۱۔ ص ۹۴، ۳۱۵۔

ایک لاکھ سپاہی بھرتی کیئے گئے۔ اگر یہ تعداد محض ایک اندازہ ہی تصور کیا جائے تب بھی یہ تو یقیناً معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنی فوج میں اس موقع پر معتدبہ اضافہ کیا تھا[۱۲۵]۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ احمد بن طولون نے جب الموفق سے جھگڑا مول لیا ہے تو اُسے پورا اندازہ ہوگا کہ اگر جنگ کی نوبت آئی تو وہ حریف کا مقابلہ بلا کھٹکے کر سکتا ہے۔ اس کے ساتھ فوج کی وابستگی اور وفاداری کا سب سے اچھا مظاہرہ اس سے ہوتا ہے کہ تمام عہد امارت میں کہیں یہ پڑھنے میں نہیں آتا کہ مصری فوج میں کبھی کسی قسم کا غدر ہوا ہو، یا احمد بن طولون کو اپنی فوجوں پر ذرا سا شبہ بھی ہوا ہو۔ اس کے برعکس مرکز خلافت کی فوجوں کا حال ہم اوپر پڑھ آئے ہیں کہ الموفق کے اشارے سے جب موسیٰ بن بغا اُس کے خلاف فوجیں لے کر روانہ ہوا ہے تو رقم کی کمی کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا، اور فوج کے غدر اور فساد سے یہ نوبت پہنچی کہ موسیٰ بن بغا کے کاتب کو جان بچانے کے لیئے روپوش ہونا پڑا۔ فوج کے سپاہی منتشر ہو گئے، اور یہ زبردست ناکامی آخر موسیٰ بن بغا کی موت پر ختم ہوئی۔

اس زمانے میں فوج کے سپاہیوں کے دلوں میں جوش و خروش پیدا کرنے، ضبط و تنظیم برقرار رکھنے اور اُن میں وفاداری کے جذبات ابھارنے کے لیئے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔ اول تو یہ کہ سپاہیوں کو معلوم ہو کہ جس کے لیئے وہ اپنی جانیں دے رہے ہیں وہ انھیں کی طرح جفاکش ہے، تمام تکلیف و آسایش میں اُن کا رفیق ہے، اور سپاہی ہونے کی حیثیت سے کسی طرح ان سے کم نہیں۔ احمد بن طولون ابتدائی زمانہ میں خود معمولی سپاہی کی زندگی بسر کر چکا تھا، اور تمام نشیب و فراز سے واقف تھا۔ یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہر مہم میں اپنی فوج کے ساتھ رہا تھا، اور ہر نرم و گرم تجربے میں سپاہیوں کا برابر کا حصہ دار تھا۔ دوسرے ضروری چیز یہ ہے کہ ان کی تنخواہیں باقاعدہ ملتی رہیں اور ان کے آرام و آسایش کا پورا خیال رکھا جائے۔ اس کا انتظام احمد بن طولون نے قطائع کی تعمیر سے کر دیا۔

ہم اپنے گذشتہ مضمون میں بیان کر چکے ہیں کہ جب فسطاط کی تخطیط کی گئی ہے تو ایک خطہ الحمراء القصویٰ کہلاتا تھا۔ بنو امیہ کے امراء مصر اسی خطے میں رہتے تھے، لیکن کوئی دار الامارۃ

---

۱۲۵ بیکر (بحوالہ جمال الدین) ص ۱۹۴۔

نہیں تھا، بلکہ وہ اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ ۱۳۲ھ میں مروان الجعدی کی تلاش میں سو وہ مصر آئے ہیں تو یہ خطہ تباہ ہو گیا لیکن امراء مصر اب تک وہیں قیام کرتے رہے۔ پہلے عباسی امیر مصر صالح بن علی الہاشمی نے وہاں ایک دارالامارۃ تعمیر کرایا۔ ابو عون عبدالملک حاکم مصر (۱۳۲ھ سے ۱۳۶ھ اور بار دوم ۱۳۷ھ سے ۱۴۱ھ) نے اپنے ساتھیوں کو وہاں مکانات بنانے کی اجازت دی، اور اب یہ خطہ "عسکر" کہلانے لگا، اور عسکر اور فسطاط مل کر "مدینۃ الفسطاط والعسکر" ہو گیا۔ یزید بن حاتم (۱۴۴ھ سے ۱۵۲ھ) کے عہد امارت تک عسکر ہی امراء کا قیام گاہ رہا۔ لیکن ۱۴۶ھ میں ایک بغاوت کی وجہ سے خلیفہ منصور نے حکم دیا کہ یزید فسطاط میں منتقل ہو جائے۔ ۲۵۴ھ میں جب احمد بن طولون مصر آیا ہے تو صالح بن علی کے تعمیر کردہ دارالامارۃ میں، جو عسکر میں تھا، ٹھیرا تھا[۱۲۶]۔ لیکن ابن الشیخ کے مقابلے کے لئے جب نئی فوج بھرتی کی گئی اور اس میں برابر اضافہ ہوتا گیا تو عسکر اس فوج کے لئے کافی نہ ہوا، اور احمد بن طولون کو کسی ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جہاں وہ خود اور اس کی نئی فوج اطمینان اور آرام سے رہ سکیں۔ ۲۵۶ھ میں پائین کوہ (سفح الجبل) کے مقام کو پسند کر کے اس نے حکم دیا کہ وہاں یہودیوں اور عیسائیوں کا قبرستان منہدم کر دیا جائے۔ اس جگہ کو اس نے مختلف خطوں میں تقسیم کیا، اور وہیں اپنا قصر تعمیر کرایا۔ اپنے اصحاب، غلمان اور اتباع کو اجازت دی کہ اس میدان میں اور قصر کے گرد اپنے مکانات بنا لیں، یہاں تک کہ یہ عمارتیں فسطاط سے ملحق ہو گئیں۔ اس کے بعد قطائع بنائے گئے۔ ہر قطیعہ کا نام ان لوگوں پر رکھا گیا جو اس میں رہتے تھے۔ مثلاً قطیعۃ النوبہ، قطیعۃ الروم، قطیعۃ السودان وغیرہ۔ ان تمام عمارتوں، قصر، اور قطائع کو ملا کر "میدان" کہتے تھے۔ اس کی مساحت میل در میل تھی۔ رفتہ رفتہ میدان ایک مستقل شہر بن گیا، جو دمشق سے زیادہ آباد اور خوبصورت تھا۔ گلیاں اور سڑکیں بن گئیں، اچھی اچھی مسجدیں تعمیر ہو گئیں، پن چکیاں، حمام اور تنور قائم ہو گئے۔ مختلف بازاروں کے باقاعدہ نام رکھے گئے، اور ہر حرفت کے لئے ایک بازار مخصوص کر دیا گیا تھا۔ مثلاً سوق الصیارفین، سوق الجزارین، سوق البقالین، وغیرہ۔ یہاں پولو کھیلنے کا میدان بھی تھا۔ پورے میدان کی کیفیت ایک فوجی

---

[۱۲۶] خطط ج ۲۔ ص ۲۶۴ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۳۶۲، ۳۶۳ + القلقشندی ج ۳۔ ص ۵۔

چھاؤنی کی تھی۔ قضاعی نے بیان کیا ہے کہ میدان ہی میں فوجی قواعد اور مظاہرے کے لئے ایک "منظر" تعمیر کیا گیا تھا، اور یہ فوجی قواعد (عرض الخیل) اسلام کے چار عجائبات میں سے ایک عجوبہ تھا[۱۲۷]۔ حفاظت کے لئے میدان کے گرد ایک فصیل کھینچی گئی تھی، جس میں آٹھ دروازے تھے۔ سال میں صرف تین مرتبہ عید، فوجی قواعد اور صدقہ کے دن یہ تمام دروازے عوام کے لئے کھولے جاتے تھے۔ باقی ماندہ دنوں میں صرف ضرورت کے لحاظ سے فصیل کے دروازے کھلتے اور بند ہوتے تھے۔ قصر میں ایک بلند نشست گاہ تھی، یوم العرض اور یوم الصدقہ کو احمد بن طولون خود بیٹھتا تھا، تاکہ آیندہ روند کو دیکھ سکے۔ باب الساج پر ایک اور نشست گاہ تھی جہاں وہ صرف عید کی رات کو غلمان کا معائنہ کرنے اور ان کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے بیٹھتا تھا۔ اس تمام تعمیر پر، ابن تغری بردی کی روایت کے مطابق، اسی ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔ احمد بن طولون کے دو بیٹوں خمارویہ اور ہارون کے زمانے میں میدان کی چہل پہل برقرار رہی، بلکہ نئی عمارتیں بنتی گئیں اور آبادی میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ۲۹۲ھ میں جب محمد بن سلیمان الواثقی کاتب نے خلیفہ مکتفی کے حکم سے آل طولون کا خاتمہ کیا ہے تو ان قطائع کو بھی برباد کر دیا اور قصر کو مسمار کر کے اس کی بنیادیں تک کھود ڈالیں۔ اس کے بعد میدان پھر کبھی آباد نہیں ہوا[۱۲۸]۔ میدان کے اندرونی انتظام کے متعلق افسوس ہے کہ مزید اطلاعات نہیں ملتیں۔

احمد بن طولون سے قبل، مورخ متفق ہیں کہ مصر کی معاشی زبوں حالی انتہا کو پہنچ چکی تھی، اور عام طور پر احمد بن المدبر کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ خلافت عباسیہ کی

۱۲۷؎ دیکھو ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۷ ۔ ۶ + قضاعی نے لکھا ہے کہ باقی تین عجائبات مکہ کا رمضان، طرسوس کی عید، اور بغداد کا جمعہ تھے۔ ان میں سے دو یعنی مصر کی فوجی قواعد اور طرسوس کی عید خود قضاعی کے زمانے میں ہی ختم ہو چکے تھے۔ اس پر ابن تغری بردی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ قضاعی کے بعد بغداد کا جمعہ بھی ختم ہو گیا تھا جب ہلاکو نے بغداد فتح کیا ہے اور خلیفہ مستعصم کو قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد بغداد سے شعائر اسلام رخصت ہو گئے۔ اب صرف مکہ کا رمضان رہ جاتا ہے۔ نہ معلوم اس وقت اس کا کیا حال ہے۔

۱۲۸؎ الکندی ص ۲۱۵ + خطط ج ۱۔ ص ۳۱۳ - ۳۱۶ + قلقشندی ج ۳۔ ص ۳۳۵، ۳۳۶ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۸، ۱۳ - ۱۵ +

ابتدا ہی سے اس زبون حالی کا آغاز ہو چکا تھا، اور اس کی تمام ذمہ داری مرکز خلافت پر تھی، نہ کہ کسی خاص شخص پر۔ ہم دیکھ چکے ہیں[۱۲۹] کہ بنو امیہ کے آخری زمانہ میں عبیداللہ بن الحجاب نے مصر کے محاصل اور اراضی کی آخری تنظیم کی تھی، اور اس تنظیم کے بعد اس نے ستائیس لاکھ تینتیس ہزار آٹھ سو انتالیس دینار بطور فاضل آمدنی دمشق بھیجے تھے۔ لیکن قبل اس کے یہ تنظیم پوری طرح بار آور ہو، اور اس سے کچھ نتائج مترتب ہوں مشرق کے انقلاب سے مصر کے حالات بھی تبدیل ہو گئے۔ عباسیوں نے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کے ساتھ ہمیشہ سوتیلے بچوں کا سا سلوک کیا۔ ۱۴۲ھ کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ منصور نے محمد بن الاشعث بن عقبہ کو مصر پر علی الصلاۃ والخراج مقرر کیا، اور جب اُس کے قدم وہاں جم گئے تو نوفل بن الفرات کو وہاں بھیجا کہ وہ محمد بن الاشعث کے سامنے خراج مصر کا ضمان پیش کرے۔ اگر وہ اُسے منظور کرے تو حسب دستور صاحب الخراج کے فرائض انجام دیتا رہے، ورنہ نوفل بن الفرات ان فرائض کا جائزہ لے لے۔ محمد بن الاشعث نے ضمان قبول کرنے سے انکار کیا اور نوفل نے خلیفہ کے حکم کے مطابق دواوین کا جائزہ لے لیا۔ اس کے بعد محمد بن الاشعث خراج کے ہاتھ سے نکل جانے پر برابر پچھتاتا رہا[۱۳۰]۔ یہ پہلا موقع ہے کہ مصر میں ضمان کا ذکر آیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اخراجات کی تکمیل کے بعد ایک مقررہ رقم بغداد کے سرکاری خزانہ میں داخل کرنے کی ضمانت دی جائے۔ اب یہ حالت ہو گئی کہ جو شخص صاحب الخراج مصر مقرر ہو وہ اس مقررہ رقم کی پابجائی کرتا رہے، اور اپنے لئے بھی کچھ نہ کچھ رقم پیدا کر لے، اور ان لوگوں کی خواہش اور مطالبات بھی پورے کرے جو اس کے ساتھ مصر آئے تھے۔ اس کے بعد ایک اور قدم آگے بڑھایا گیا، اور اس مقررہ رقم کے متعلق ایک تحریری عہد نامہ ہونے لگا[۱۳۱]۔

---

۱۲۹ "عرب مصر میں"۔ رسالہ سیاست (حیدر آباد دکن) جولائی ۱۹۴۲ء +

۱۳۰ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۳۸۲، ۳۸۳ +

۱۳۱ بیکر ص ۱۳۸ +

یاد رہے کہ یہ ضمان ہے تقبیل نہیں۔ مصر کی معاشی زبوں حالی کا آغاز یہاں سے ہوا۔

۱۴۳ھ میں محاصل کی رقم میں اضافہ ہوا، اور حمید بن قحطبہ کے عہد امارت میں اٹھائیس لاکھ چونتیس ہزار پانچ سو دینار وصول ہوئے[132]۔ پھر موسیٰ بن عیسیٰ کے زمانے میں، جو ۱۷۱ھ سے ۱۸۰ھ تک تین مرتبہ مصر کا والی مقرر ہوا تھا، یہ رقم اخراجات کی منہائی کے بعد اکیس لاکھ اسّی ہزار ہو گئی[133]۔ ۲۱۲ھ میں عبد اللہ بن طاہر بن حسین کو جب مصر کا والی مقرر کیا گیا ہے تو محاصل کی مقدار تیس لاکھ دینار تھی[134]۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ محصول اراضی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ چنانچہ مقریزی[135] نے لکھا ہے کہ خلافت مامون اور اس کے بعد کے دور میں فی فدان (ایکڑ) دو دینار لگان عاید کیا جاتا تھا۔ ۲۱۳ھ میں جب مصر کے نظم و نسق میں پھر ایک دور رس تبدیلی ہوئی۔ اس سال مامون نے اپنے بھائی معتصم کو مصر کا ملک دے دیا۔ اب جاگیرداروں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ اشناس، ایتاخ، منتصر، فتح بن خاقان، بایکباک اور یارجوخ اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ان میں سے معتصم اور اس سے قبل عبد اللہ بن طاہر بن حسین دو ایسے شخص ہیں جو مصر میں تھوڑی مدت کے لئے رہے تھے۔ باقی ماندہ لوگوں کے لئے مصر کی حیثیت ایک دور افتادہ جاگیر سے زیادہ نہ تھی، جس سے وہ صرف مالی فائدہ اٹھانے کے متوقع تھے اور بس۔ اس تبدیلی کے شروع میں بھی مصر کا صاحب الخراج خلیفہ ہی کی طرف سے براہ راست مقرر ہوتا تھا[136]۔ لیکن زمانۂ مابعد میں اس کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ گو صاف اور صریح روایات ہم تک نہیں پہنچیں لیکن یہ سمجھنا ہرگز بعید از قیاس نہیں کہ خالص آمدنی میں اب مرکزی خزانہ اور جاگیردار دونوں حصہ دار ہوتے ہوں گے، اور اس کے

۱۳۲؎ بیکر (منقول از فون کریمر) ص ۱۳۸ +

۱۳۳؎ خطط ج ۱۔ ص ۹۹ +

۱۳۴؎ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۶۱۰ +

۱۳۵؎ خطط ج ۱۔ ص ۹۹ +

۱۳۶؎ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۱۶۶: وکان الخراج للخلیفۃ یولی علیہ من شاء فی ہذہ السنین۔

علاوہ صاحب الخراج بدستور باقی رہا۔ ۲۵۶ھ میں سات لاکھ پچاس ہزار دینار بطور باج مرکزی خزانہ میں ادا کیے گئے، کیونکہ اس رقم کو اب باج کہنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ اس طرح عربوں کی فیض رساں حکومت کے اٹھ جانے اور ترکوں کے مسلط ہو جانے سے ملک کا نظم و نسق خراب ہو رہا ہے۔ مذکورہ بالا تبدیلیوں کی وجہ سے ملازموں کی رشوت ستانی اور بداطواری بھی بڑھ رہی ہوگی۔ محصول اراضی میں برابر اضافہ ہوتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ۲۵۴ھ میں ایک فدان پر چار دینار عائد کیے گئے ہیں[۱۳۷]۔ ان سب باتوں کا نتیجہ معاشی زبون حالی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا؟

اس موقع پر ۲۴۷ھ میں خلیفہ منتصر نے احمد بن المدبر کو مصر کا صاحب الخراج مقرر کیا۔ اُس نے مصر آ کر یہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ آمدنی بڑھانے کے نئے وسایل دریافت کیے جائیں، اور اُس نے تین نئے محاصل عاید کیے۔ یہ سب غیر قانونی محاصل تھے، اور معاون و مرافق کہلاتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان کی وجہ سے عوام پر سختیاں ضرور ہوئی ہوں گی۔ مگر زمانۂ مابعد میں ابن المدبر کی معزولی کے بعد بھی ان محاصل کو مکمل طور پر منسوخ نہیں کیا جا سکا۔ چنانچہ مقریزی[۱۳۸] نے اعتراف کیا ہے کہ چراگاہوں، نطرون اور ماہی گیری کے محاصل مستقل (استمرا) ہو گئے تھے۔

یہ حالات تھے جب ۲۵۴ھ میں احمد بن طولون مصر پہنچا، اور اُس کے ساتھ مصر کے بھلے دن بھی لوٹ آئے۔ مگر ۲۵۸ھ تک، معاشی معاملات میں اس کا کوئی دخل نہیں ہوا۔ کیونکہ یہ محکمہ حسب سابق احمد بن المدبر کے زیر اقتدار تھا۔ اس سال جب احمد بن المدبر کو شام میں منتقل کیا گیا تو اُسے شہری اور مالی حکومت کا پورہ جائزہ ملا۔ جس طرح مورخ احمد بن طولون سے قبل مصر کی زبون حالی پر متفق ہیں۔ اسی طرح اُس کے عہد میں ملک کی خوش حالی کے متعلق

---

۱۳۷ بیکر (منقول از کاربکگ) ص ۱۴۱+ کاربکگ نے یہ نہیں لکھا کہ کس پیداوار پر چار دینار فی فدان وصول کیے جاتے تھے۔ کیوں کہ مختلف پیداواروں کے محاصل بھی مختلف تھے۔ لیکن بیکر کا قیاس ہے کہ گیہوں کی پیداوار پر یہ محصول عائد کیا گیا تھا۔

۱۳۸ خطط ج ا، ص ۱۰۳، ۱۰۴ +

ایک زبان ہیں۔ اس سولہ سالہ مدت میں جو عام امن و امان ملک میں رہا وہی یہ ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے کہ ملک خوش حال تھا۔ مزید براں ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ اس مدت میں کبھی ایسا موقع نہیں آیا جب احمد بن طولون مالی مشکلات میں مبتلا ہوا ہو۔ بلکہ وہ اتنا نقد چھوڑ گیا تھا کہ خمارویہ کی فضول خرچیوں کی وجہ سے معاشی حالات پھر خراب ہونے شروع ہوئے۔ اس سے ہم یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ احمد بن طولون کا مالی نظم ونسق ضرور قابل تعریف ہوگا۔ لیکن افسوس ہے جب ہم اس نظم ونسق کی تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں مایوس ہونا پڑتا ہے کیونکہ اس کے متعلق ہماری معلومات بہت ہی تشنہ ہیں۔[۱۳۹] مقریزی لکھتا ہے کہ ابن المدبر کے زمانے میں جب مصر کی مالی حالت تباہ تھی تو صرف آٹھ لاکھ خراج وصول ہوا تھا۔ پھر جب احمد بن طولون کو مالیات مصر پر تصرف حاصل ہوا ہے اور اس نے مصر کو خوشحال بنانے کی کوشش کی ہے تو ۲۶۶ھ میں خراج تینتالیس لاکھ تک پہنچ گیا تھا۔ اس سے قبل صرف ایک مرتبہ عبید اللہ بن الحبحاب کے زمانے میں خراج مصر میں اتنا معتد بہ اضافہ ہوا تھا۔ پھر یہ اضافہ اس طرح بھی نہیں ہوا تھا کہ عوام پر کسی طرح کی سختی گزری ہو، بلکہ دس اردب گیہوں کی قیمت ایک دینار، اور دس رطل روٹی کی قیمت صرف ایک درہم تھی۔[۱۴۰] اس کے علاوہ محاصل میں اضافہ کرنے یا نئے محصول لگانے کے بجائے وہ تمام غیر قانونی محاصل (مکوس) جو ابن المدبر نے عائد کئے تھے، منسوخ کر دیے گئے تھے۔ مورخوں نے اس کے اخراجات کی مدات بھی بیان کی ہیں، جنھیں مختصر طور پر لین پول[۱۴۱] نے یک جا جمع کر دیا ہے۔ ۲۵۷ھ میں صاحب الخراج نے سات لاکھ پچاس ہزار دینار بطور خراج خلیفہ کے پاس بھیجے تھے، اور چار سال میں اس خراج کی مقدار بائیس لاکھ دینار تھی۔ قطائع پر اسی ہزار دینار، جامع ابن طولون پر ایک لاکھ بیس ہزار دینار، مارستان پر اسی ہزار دینار، اور قلعہ روضہ پر بھی اسی ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔ اس کی ماہانہ خیرات

---

۱۳۹ خطط ج ۱۔ ص ۹۹ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۹۴ + ابن ایاس ج ۱۔ ص ۴۰ +

۱۴۰ بیکر (بحوالہ ویوسٹن فیلد) ص ۱۹۶ +

۱۴۱ تاریخ مصر بعہد وسطیٰ (انگریزی) ص ۶۵، ۶۶،

ایک ہزار دینار، اور مطبخ کا روزانہ خرچ ایک ہزار دینار تھا۔ اس کے علاوہ علماء وفضلا کے انعامات، بڑی زبردست فوج، لاتعداد خانگی ملازمین اور فوجی لحاظ سے مختلف قلعوں کی دیکھ بھال کے اخراجات تھے۔ ابن ایاس[۱۴۲] نے لکھا ہے کہ اُس نے دس لاکھ طلائی دینار، جواہرات کے سو صندوق، لاتعداد فروش وتحائف ترکے میں چھوڑے تھے۔ ضیاع واملاک اور باغ اس کے علاوہ تھے۔ لین پول لکھتا ہے کہ یہ تمام اخراجات صرف تینتالیس لاکھ دینار سالانہ محاصل سے پورے نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ قبطیوں سے زبردستی رقمیں وصول کرتا تھا، جیسا کہ عیسائی مورخوں نے بیان کیا ہے لیکن اُس نے نہ کسی عیسائی مورخ کا حوالہ دیا اور نہ کسی مسلمان مورخ کا۔ جو ذرائع معلومات ہمارے پیش نظر ہیں ان سے بھی احمد بن طولون پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا کہ وہ مسلمانوں یا عیسائیوں سے اس معاملے میں سختی کرتا تھا۔ مصری مورخوں نے جس طرح اپنے والیوں کے تمام عیوب ومحاسن بلا کم وکاست بیان کر دئے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ احمد بن طولون کے متعلق یہ لکھنا بھول جاتے کہ اس نے قبطیوں کو لوٹا تھا، یا غیر معمولی سختیاں ان پر روا رکھی تھیں۔

ایک روایت مقریزی[۱۴۳] نے ابن الدایہ (جامع السیرۃ) سے نقل کی ہے جس سے احمد بن طولون کے عہد کی معاشی حالت پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب خلیفہ معتمد نے مصر اور ثغور الشامیہ کا خراج احمد بن طولون کے سپرد کیا تو اس نے تمام اعمال میں معاون ومرافق کو منسوخ کرنے اور متقبلین کو مزارعین کے پٹے فسخ کرنے کی ممانعت کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر مصر کے معاون ومرافق منسوخ کرنے سے قبل اُس نے عبداللہ بن دسومہ سے جو اُس وقت ابوایوب ابن اخت الوزیر صاحب الخراج کا متولی (امین) تھا، اس بارے میں مشورہ کیا۔ ابن دسومہ بدنفس وبدطینت شخص تھا۔ اس نے مشورہ دیا کہ نہ صرف معاون ومرافق کو منسوخ نہ کیا جائے، کیونکہ صرف مصر (فسطاط) سے ایک لاکھ دینار سالانہ اُس مد میں وصول ہوتے ہیں، بلکہ چونکہ

---

۱۴۲ بدائع الزہور۔ ج ۱۔ ص ۴۰ +		۱۴۳ خطط ج ۲۔ ص ۲۶۶، ۲۶۷ +

یہ خشک سالی کا زمانہ ہے اس لئے متقبلین کے اجازت نامے اور امراء کی ضیاع بھی منسوخ کردئے جائیں، تو اس سے ملک کی آمدنی میں بہت اضافہ ہوگا۔ احمد بن طولون نے اس مشورے کو فوراً قبول کرنے کے بجائے، جس سے فسخ شدہ اجازت ناموں کے بجائے زیادہ شرح پر نئے اجازت نامے جاری کرنا مقصود تھا، غور و فکر کیا۔ رات کو اُس کے طرسوس والے زاہد دوستوں میں سے ایک زاہد اُسے خواب میں نظر آیا، جس نے ہدایت کی کہ وہ عبد اللہ بن دسومہ کے مشورے پر عمل نہ کرے، بلکہ جو فیصلہ کرچکا ہے اُس پر بلا تامل کاربند ہو۔ اللہ اُسے اس کا عوض دے گا۔ صبح کو اس نے معاون و مرافق کی منسوخی کا حکم دے دیا، اور ابن دسومہ کو اس کی اطلاع دی۔ ابن دسومہ نے اب بھی اس کی مخالفت کی اور کہا کہ تم نے زندہ کی بات نہ مانی اور مردہ کے کہنے پر عمل کیا۔ لیکن اگلے دن صبح کو احمد بن طولون چند غلاموں کے ساتھ مصر صعید روانہ ہوگیا۔ صحرا میں اُس کے ایک غلام کے گھوڑے کا پاؤں ریت میں دھس گیا۔ تحقیق پر معلوم ہوا کہ وہاں ایک دفینہ ہے۔ خلیفہ کی اجازت سے یہ دفینہ مارستان پر خرچ کیا گیا۔ اسی قسم کے ایک اور دفینہ سے جامع ابن طولون تعمیر ہوئی۔ ابن دسومہ کو اُس نے پھر بلایا، اور کہا کہ مردے کی بشارت کی یہ پہلی برکت ہے۔ اگر میں وعدہ نہ کرچکا ہوتا تو تجھے قتل کردیتا۔ چند روز کے بعد لوگوں کی شکایت پر کہ وہ ان پر بیجا سختیاں کرتا ہے، ابن دسومہ کو قید کردیا گیا، اور مال و اسباب ضبط کرلیا گیا۔

ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ خلیفہ منصور کے زمانے میں ہی ضمان کا طریقہ رائج ہوچکا تھا۔ مقریزی[۱۲۵] کے مطابق بعد کے زمانے میں ایک اور برار داج پڑ گیا تھا کہ ضمان میں ایک بارگی تبدیلی

---

[۱۲۵] خطط ج ۱ ص ۸۴ – قال لما انتهی الی المامون ما یعتمد فی الدواوین من قبول الزیادات و فسخ عقود الضمانات وانتزاعها من کابد فیها المشقة والتعب وتسلیمها الی باذل الزیادة من غیر کلفة ولا نصب انکر ذلك و منع من ارتکابها ونهی عن الولوج فی بابه وخرج امرہ باعفاء الکافة اجمعین والضمناء والمعاملین من قبول الزیادة فیما ینصرفون فیه ویتولون علیه ما داموا مغلقین وبأقساطهم قائمین وتضمن ذلك منشور قری فی الجامعین الازهر بالقاهرة والعتیق بمصر

بقیہ برصفحہ آئندہ ملاحظہ ہو

کردی جاتی تھی، اور تمام معاملہ اُس شخص کے سپرد کردیا جاتا تھا جو زیادہ رقم ادا کرنے کا وعدہ کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جو شخص تکلیف اٹھاتا تھا، اور ابتدائی اخراجات برداشت کرتا تھا وہ اس سے فائدہ اٹھانے سے باز رکھا جاتا تھا، اور کوئی دوسرا شخص اس کے کام سے مستفید ہوتا تھا خلیفہ الآمر کے وزیر مامون کو جب اس طرز عمل کا علم ہوا تو اُس نے اسے بہت بُرا سمجھا، اور حکم دیا کہ آئندہ ایسا نہ کیا جائے، اور ضمناء ومعاملین سے ان زمینوں کے متعلق جن پر وہ متصرف ہیں زیادہ رقم کا مطالبہ اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ وہ اپنے ضمان پر قائم ہیں اور اقساط باقاعدہ ادا کرتے ہیں۔ ابن وسومہ نے جو مشورہ احمد بن طولون کو دیا تھا وہ درحقیقت یہی بدعت سیئہ تھی۔ لیکن یہاں بھی مقریزی نے صرف ضمان کا ذکر کیا ہے، تقبیل کا عمل مامون کے زمانے میں بھی نہیں ہے۔ اب احمد بن طولون کے زمانے میں دونئی باتیں سننے میں آتی ہیں: ایک تقبیل اور دوسرے ضیاع الأمراء۔ ہم فی الحال نہیں کہہ سکتے کہ تقبیل کا طریقہ کب وجود میں آیا۔ تقبیل اور ضمان میں تھوڑا ہی سا فرق ہے۔ مگر تقبیل کے بعد حکومت مالیات میں اتنا دخل نہیں دے سکتی تھی جتنا کہ ضمان کی صورت میں۔ اس لئے متقبل اپنی ذاتی منفعت کی بنا پر مزارعین کے پٹوں کو فسخ کرکے زمین کسی اور کے حوالے کرسکتا تھا جو اُسے زیادہ رقم دے۔ حالانکہ متقبل کی واجب الادا رقم مقررہ تھی، اور اس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی تھی۔ پھر ضیاع الامراء ہیں۔ خود مقریزی[126] نے لکھا ہے کہ الپ ارسلان اور ملک شاہ کے زمانے میں سب سے پہلے نظام الملک طوسی نے ضیاع تقسیم کئے تھے۔ لیکن یہاں مصر میں احمد بن طولون کے عہد ہی میں ضیاع الامراء موجود ہیں، گو یہ تصفیہ کرنا مشکل ہے کہ امراء سے مراد یہاں فوجی افسر ہیں، جن کی خدمات کا صلہ ضیاع کی صورت میں دیا جاتا تھا، یا شہری امراء ہیں۔ بہرحال ابن وسومہ کے مشورے کو قبول نہ کرکے احمد بن طولون نے مصر کو ایک بہت

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ودیوان المجلس والخاص الامر بین سعیدین و نسختہ بعد التصدیر + یہاں مامون سے مراد محمد بن ابی شجاع البطائحی المامون، وزیر خلیفہ الآمر فاطمی سے ہے، اور یہ تنسیخ ۵۱۵ھ میں عمل میں آئی ہے۔ جب المامون کو الافضل کے قتل کے بعد الآمر نے وزیر مقرر کیا ہے۔

[126] خطط ج ۱۔ ص ۹۵ +

بڑے معاشی انقلاب بلکہ معاشی تباہی سے بچا لیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں یہ بدعت آخر جاری ہوگئی تھی، جسے وزیر المامون نے منسوخ کیا۔

اب صرف یہ رہ جاتا ہے کہ ابن ایاس[147] کی روایت نقل کردی جائے کہ جب احمد بن طولون کے حالات منتقل ہوگئے تو اُس نے مصر کو آباد کرنے اور خوشحال بنانے کی طرف خاص توجہ کی۔ اور اس غرض سے اُس نے پل (جسور و قناطر) تعمیر کرائے، نہریں (خلجان) کھدوائیں اور نالابوں کے بند بندھوائے۔ ان کاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصر کی بدحالی ختم ہوگئی اور خوش حالی کا دور شروع ہوا۔ ۲۶۶ھ میں مصر سے چار کروڑ تین لاکھ دینار وصول ہوئے۔ ضیاع الامراء اس کے علاوہ تھے۔[148] ابن تغری بردی[149] نے لکھا ہے کہ ۲۵۹ھ میں احمد بن طولون نے خلیفہ متوکل کے مقیاس النیل کی، جس کی تعمیر ۲۴۷ھ میں ہوئی تھی، ایک ہزار دینار خرچ کرکے مرمت کرائی تھی۔[150] اس سے زیادہ ہم احمد بن طولون کے مالی انتظامات اور دوسری تبدیلیوں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔

(٦)

احمد بن طولون کی بعض عمارتوں کا، جو اُس نے مصر میں تعمیر کرائی تھیں، اور پرانے مقیاس کی مرمت کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہ عمارتیں زیادہ تر سرکاری اغراض کے لئے بنائی گئی تھیں لیکن ان کے علاوہ مصر میں اور اُس کے باہر احمد بن طولون نے رفاہ عام کے بہت سے کام انجام دیے تھے، اور زبردست عالی شان عمارتیں تعمیر کرائی تھیں، جن کی وجہ سے اُس کا نام ہمیشہ باقی رہے گا۔ یہاں ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ان عمارتوں پر اثری نقطۂ نظر سے بحث کی جائے، اور ان کی تعمیری خصوصیات پر نظر ڈالی جائے۔ ان امور کی کافی تفصیل کاربٹ[151]، یوسف احمد[152] اور خصوصاً کریسول[153] نے

[147] بدائع الزہور۔ ج ۱۔ ص ۳۷ +

[148] دیکھو ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۴۹ +

[149] النجوم الزاہرہ۔ ج ۱۔ ص ۴۳ +

[150] تصاویر کے لئے دیکھو کریسول تصویر نمبر ۸۰۔ الخ +

[151] لائف اینڈ ورک آف احمد بن طولون۔ از آسٹیس۔ کے۔ کاربٹ۔ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۱ء ص ۵۲۷۔ ۵۵۶ +

[152] جامع ابن طولون۔ از یوسف احمد۔

[153] ارلی مسلم آرکیٹیکچر حصہ دوم ص ۳۲۷۔۔ ۳۶۰ +

اپنی تازہ ترین تصنیف میں کر دی ہے، اور نقشوں، خاکوں اور تصویروں کے ذریعے ان کی خصوصیات کو واضح کر دیا ہے۔ لہٰذا ان باتوں کا یہاں اعادہ کرنا تحصیل حاصل ہوگا۔

مصر کے باہر احمد بن طولون کی صرف دو عمارتوں کا پتہ چلتا ہے۔ ان میں سے ایک عکا کی بندرگاہ ہے۔ مقدسی کا دادا اس عمارت کا مہندس اور تعمیر کنندہ (البنّاء) تھا، اور اسی جغرافیہ نویس نے اس تعمیر کے حالات بیان کئے ہیں۔ مقدسی[۱۵۲] کی عبارت، جس نے اپنی کتاب ۳۷۵ھ میں لکھی ہے، ہم یہاں نقل کرتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اس قسم کی عمارتیں اُس زمانے میں کس طرح بنائی جاتی تھیں۔

عکا مدینۃ حصینۃ علی البحر کبیرۃ الجامع؛ فیہ غابۃ زیتون تقوم بسرجہ وزیادۃ۔ ولم تکن علی ھذہ حصانۃ حتی زارھا ابن طولون؛ وقد کان رأی صور ومنعتھا واستدارۃ الحائط علی میناھا۔ فاحب ان یتخذ لعکا مثل ذلک المینا۔ فجمع صُنّاع الکورۃ وعرض علیھم ذلک۔ فقیل لا یھتدی احد الی البناء فی الماء فی ھذا الزمان۔ ثم ذکر لہ جدّنا ابو بکر البنّاء وقیل ان کان عند احد علم ھذا فعندہ۔ فکتب	عکا ساحل بحر پر قلعہ بند شہر ہے۔ یہاں کی جامع مسجد وسیع ہے۔ اس کے صحن میں زیتون کے درختوں کا ایک جھنڈ ہے، جس کے تیل سے مسجد کے چراغ روشن کئے جاتے ہیں اور پھر تیل بچ رہتا ہے۔ احمد بن طولون کے وہاں آنے تک شہر قلعہ بند نہیں تھا۔ اُس نے صُور کے استحکامات دیکھے کہ کس طرح ایک فصیل بندرگاہ کے گرد کھنچی ہوئی ہے۔ اُس نے چاہا کہ عکا میں بھی صُور کا سا بندرگاہ (مینا) تعمیر کرے۔ چنانچہ اُس نے صوبے کے صنّاع جمع کئے، اور اُن کے

---

[۱۵۲] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۱۶۲-۱۶۳ +

الی صاحبه علی بیت المقدس حتی انهضهُ الیه. فلما صار الیه وذکر له ذلک، قال "هذا امر هیّنٌ. علی بفلق الجُمَّیز الغلیظة." فصفها علی وجه الماء، بقدر الحصن البرّی وَ خَیَّط بعضها ببعض. وجعلها باباً من الغرب عظیماً. فبنی علیها بالحجارة والشید؛ وجعل کلما بنی خمس دوامس ربطها باعمدة غلاظة لیشتد البناء. وجعلت الفلق کلما ثقلت ونزلت، حتی اذا علم انها جلست علی الرمل، ترکها حولاً کاملاً، حتی اخذت قرارها. ثم عاد، فبنی حیث ترک. وکلما بلغ البناء الی الحائط القدیم داخله فیه وخَیَّطَهُ. ثم جعل علی الباب قنطرة. فالمراکب فی کل لیلة تدخل المینا وتجر السلسلة مثل صور. قال فدفع الیه الف دینار سوی الخلع وغیره من المرکوب واسمهُ علیه مکتوب وکان العلاء

سامنے یہ مسئلہ پیش کیا۔ اس سے کہا گیا کہ ان دنوں کوئی ایسا نہیں رہا جو پانی میں عمارت بنا سکے۔ پھر احمد بن طولون سے ہمارے دادا ابو بکر البنّاء کا ذکر کیا گیا کہ اگر کسی کے پاس اس قسم کی تعمیر کا علم ہے تو وہ ابو بکر ہی ہے۔ احمد بن طولون نے اپنے حاکم بیت المقدس کو لکھا اور اس نے ابو بکر کو بھیج دیا۔ جب وہ احمد بن طولون کے پاس آیا اور یہ مسئلہ اُس کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے کہا کہ یہ آسان کام ہے۔ جتنے بڑے اور مضبوط انجیر (جُمَّیز) کے درختوں کے ہو سکیں لاؤ۔ انھیں اس نے سطح آب پر قطار در قطار (سمندر کی سمت میں) فصیل شہر کی توسیع کی طرح پھیلا دیا، اور سب کو ایک دوسرے سے باندھ دیا، اور مغرب کی سمت ایک بڑے دروازے کا راستہ چھوڑ دیا۔ ان شہتیروں پر ابو بکر نے چونے پتھر سے ایک عمارت اٹھانی شروع کی۔ ہر پانچ ردوں کے بعد اُسے مضبوط کرنے کے لئے بڑے بڑے ستون لگائے۔ اس طرح بوجھ پڑنے سے شہتیر پانی کے اندر غرق ہونے شروع ہوئے، جب اس نے جان لیا کہ شہتیر ریت پر جم گئے ہیں تو پورے ایک سال تک عمارت کو اُسی حالت میں چھوڑ دیا، تاکہ وہ مستقل طور پر ریت میں جم جائے۔ پھر واپس آ کر جہاں چھوڑا تھا وہاں سے

قبل ذلك يغير على المراكب +

تعمیر شروع کی۔ جب یہ تعمیر قدیم فصیل تک پہنچ گئی تو نئی تعمیر کو اس کے ساتھ جوڑ دیا۔ پھر (بندرگاہ کے مغربی) دروازے پر اُس نے ایک پل تعمیر کیا، ہر رات کو جب جہاز بندرگاہ (مینا) میں داخل ہو جاتے تھے تو صور کے بندرگاہ کی طرح ایک زنجیر اُن کے سامنے کھینچ دی جاتی تھی۔ اس کے صلے میں احمد بن طولون نے ابو بکر کو ایک ہزار دینار دئے، خلعتیں اور گھوڑے اس کے علاوہ تھے، اور اُس کا نام عمارت پر لکھا گیا۔ اس بندرگاہ (مینا) کی تعمیر سے قبل دشمن ان جہازوں کو جو وہاں ٹھیرتے تھے لوٹ لیا کرتا تھا۔

حکیم ناصر خسرو[۱۵۵] نے پانچویں صدی کے نصف میں اس نواح کا سفر کیا ہے، اور اس بندرگاہ کے مختصر حالات لکھے ہیں۔ پھر یاقوت کی کتاب معجم البلدان چھٹی صدی کی تصنیف ہے۔ وہ مقدسی کی عبارت اُسی کے حوالے سے حرف بحرف نقل کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ابو بکر کا نام اس عمارت پر اُس وقت تک موجود تھا[۱۵۶]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی تک یہ تعمیر اچھی حالت میں تھی۔ لی اسٹرینج[۱۵۷] نے بیان کیا ہے کہ عکا کی اس بندرگاہ کے آثار اب تک باقی ہیں گو تہ آب ہیں۔ کرسیول[۱۵۸] نے لکھا ہے کہ ستونوں کے ذریعے تعمیر کی بندشوں کو مستحکم کرنے کی یہ پہلی مثال ہے، ورنہ عہد اسلام میں یا اس سے قبل ایسی مثال شام میں دیکھنے میں نہیں

---

۱۵۵ سفرنامہ ص ۲۲، ۲۳ +

۱۵۶ معجم البلدان تحت عکہ : واسمه عليه مكتوب الى اليوم +

۱۵۷ پلسٹائن انڈر دی مسلمز ص ۳۲۹ +

۱۵۸ ارلی مسلم آرکی ٹیکچر ص ۳۶۰ +

آئی ۔ بی اسٹرینج کا قول ہے کہ حروب صلیبیہ کے دوران میں ابو بکر کے طرز تعمیر کی نقل یورپ کے معماروں نے قلعوں کی تعمیر میں اکثر کی ہے۔

مقدسی نے اس کی صراحت نہیں کی کہ یہ بندرگاہ کب تعمیر ہوئی تھی اور نہ کسی اور مصنف نے اس کا ذکر کیا ہے ۔ مگر اپنی زندگی میں احمد بن طولون دو مرتبہ شام گیا تھا پہلی مرتبہ ۲۱ رشعبان ۲۶۴ھ میں اور رمضان ۲۶۵ھ میں مصر واپس آیا تھا ۔ دوسری مرتبہ صفر ۲۶۹ھ میں شام گیا اور ۱۹ رجمادی الثانی ۲۷۰ھ کو مصر واپس آیا[159] ان دو سفروں میں سے ایک سفر میں عکا کی بندرگاہ تعمیر ہوئی ہوگی ۔

بیرون مصر احمد بن طولون کی دوسری تعمیر یافہ کا قلعہ ہے ۔ اس کا ذکر متعدد مورخوں نے کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس سے قبل وہاں قلعہ نہیں تھا[160] ۔ مگر اس عمارت کے تفصیلی حالات نہیں مل سکے ۔ عکا کی طرح یافہ بھی ساحل بحر پر واقع ہونے کی وجہ سے فوجی اہمیت رکھتا تھا ورنہ خود شہر میں کوئی خوبی نہیں تھی ۔ چنانچہ یاقوت[161] نے ابن بطلان کے ۴۴۳ھ میں لکھے ہوئے ایک رسالہ کے الفاظ نقل کئے ہیں کہ :

" وبا فابلد القحط و المولود فیھا قلّ ان یعیش حتی لا یوجد فیھا معلم للصبیان "۔

ممکن ہے کہ احمد بن طولون نے عکا کی طرح یہاں بھی بندرگاہ تعمیر کرایا ہو اور ممکن ہے کہ ان مورخوں نے عکا اور یافہ کو غلط ملط کیا ہو ۔ مگر یہ محض قیاسات ہیں ۔ ان دو کے علاوہ احمد بن طولون کے تمام باقی ماندہ رفاہی عمارتیں مصر میں تعمیر ہوئی تھیں ۔

غالباً احمد بن طولون کا سب سے زیادہ نمایاں رفاہی کام سقایہ ہے ۔ اس سقایہ کے ذریعے برکۃ الحبش سے جو فسطاط کے جنوب مشرق میں خطہ معافر میں واقع تھا ، پانی بلند کیا جاتا تھا اور اس پانی کو شمال کی طرف قرافۃ الکبری (بڑے قبرستان) کے پاس ایک مسجد تک پہنچایا جاتا

---

[159] الکندی ص ۲۱۵ ، ۲۱۶ ، ۲۱۷ ، ۲۲۴ ، ۲۲۰ ، ۲۲۳ +

[160] ابن خلدون ج ۴ ص ۳۰۲ + ابن الاثیر ج ۷ ص ۱۳۶ + ابو الفداء ج ۲ ص ۵۳ +

[161] معجم البلدان تحت یافہ +

تھا۔ یہ سقایہ قناطر ابن طولون اور اس کے کنویں کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تعمیر کی وجہ مقریزی[۱۶۲] نے 'بحوالہ قضاعی' یہ بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ احمد بن طولون سوار ہو کر سیر و شکار کے لئے نکلا اور مسجد اقدام[۱۶۳] کے پاس گزرا، جو خطۂ مغافر میں واقع ہے۔ لشکر کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے وہ اپنے سپاہیوں اور ساتھیوں سے الگ ہو گیا تھا، اور سخت پیاسا تھا۔ مسجد اقدام میں اُسے ایک درزی دکھائی دیا۔ اُس نے درزی سے پانی مانگا۔ وہ پیالے میں پانی لایا اور ساتھ ہی یہ تاکید کی کہ زیادہ نہ پی جانا۔ یہ سن کر احمد بن طولون مسکرایا، اور خوب سیر ہو کر پانی پینے کے بعد درزی سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ پانی بھی پلاتے ہو اور تاکید بھی کرتے ہو کہ زیادہ نہ پیو؟ درزی نے جواب دیا کہ خدا تمہارا بھلا کرے، ہمارے ہاں پانی نہیں ملتا ہے۔ اطمینان کر کے واقعی وہاں پانی کی قلت ہے احمد بن طولون آگے بڑھ گیا اور قصر میں پہنچ کر مسجد اقدام کے درزی کو بلایا اور ایک ہزار دینار دے کر اس سے کہا کہ جب [illegible] ساتھ لے جائے تاکہ وہ سقایہ کی تخطیط کریں، اور خود درزی کے لئے بھی دس دینار ماہانہ مقرر کر دیا۔ درزی کو حکم دیا کہ جب پانی تم تک پہنچ جائے تو مجھے بھی خوش خبری سنانا۔ مژدہ لانے والے کو اُس نے مالا مال کر دیا۔ احمد بن طولون کو مشورہ دیا گیا تھا کہ عین ابی خلید المعروف بالمعتق سے اس سقایہ کے لئے پانی لے۔ مگر اُس نے کہا کہ یہ چشمہ ہمیشہ عین ابی خلید ہی رہے گا، اور میرا نام کہیں نہیں ہوگا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک کنواں کھدوایا گیا اور اس کا پانی قناطر کے ذریعہ سے درب السالم تک پہنچایا جاتا تھا۔ یہ ایک خیر جاریہ تھی جس سے امیر و غریب یکساں مستفید ہوتے تھے۔

سقایہ کا مہندس ایک نصرانی تھا، جس سے غالباً قبطی مراد ہے، کیونکہ اگر وہ یونانی ہوتا تو صراحت کے ساتھ رومی لکھا جاتا۔ احمد بن طولون نے اُسے حکم دیا تھا کہ جب تعمیر مکمل

۱۶۲ے سقایہ کے متعلق حوالہ جات:۔ مقریزی ج ۱ ص ۲۹۸ + ۲۔ص ۴۵۱، ۴۵۷، ۴۵۸ +

۱۶۳ے اس مسجد کی وجہ تسمیہ اور حالات کے لئے دیکھو خطط ج ۲۔ص ۴۴۵ +

ہو جائے تو اُسے اطلاع دی جائے تاکہ وہ بذاتِ خود تمام کام کا معائنہ کرے۔ یہ دن بھی آ گیا۔ احمد بن طولون کنویں اور قناطر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اتفاقاً اُس کے گھوڑے نے چونے اور اینٹوں کے ایک ڈھیر سے ٹھوکر کھائی۔ احمد بن طولون شکی مزاج تو واقع ہوا ہی تھا۔ اُسے معاً یہ شبہ ہوا کہ نصرانی مہندس کی نیت بخیر نہیں۔ چنانچہ اسے فوراً گرفتار کر لیا گیا، اور اُس کے کپڑے اتار کر پانچ سو چابکوں کی سزا دی گئی۔ یہ بیچارہ اتنے ہی دیناروں کے صلے کی امید میں تھا۔ اس کے بعد یہ مہندس جامع ابن طولون کی تعمیر شروع ہونے تک برابر مطبق (قید خانے) میں رہا۔

روایت ہے کہ سقایہ کی تعمیر کے بعد احمد بن طولون نے سنا کہ ایک جماعت ایسی ہے جو اس کا پانی پینا جائز نہیں سمجھتی۔ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو اچانک انھیں امیر کے حکم سے صحرائے جایا گیا، اور خود امیر بھی وہاں مقیم تھا۔ "امیر کا خادم جو میرے ساتھ تھا اُس نے بتایا کہ ممکن ہے کہ تم سے سقایہ کے متعلق کچھ دریافت کیا جائے۔" وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ احمد بن طولون گھوڑے پر سوار سقایہ کے دروازے پر کھڑا ہے، اور سامنے شمع روشن ہے۔ "میں نے فوراً کہا کہ آپ کا خادم مجھے ایسی تیز رفتاری سے لایا ہے کہ میں بہت تھک گیا ہوں۔ اور پانی پینا چاہتا ہوں۔ غلاموں نے پانی دینا چاہا، مگر میں نے کہا کہ میں خود ہی پی لوں گا، اور وہیں سقایہ کا پانی لے کر خوب سیر ہو کر پیا، اور امیر کو دعا دی کہ اللہ اُسے جنت کا پانی پینا نصیب کرے۔ اس پر امیر نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ مجھے تم سے ایک کام تھا، مگر اس کا یہ موقع نہیں۔ انھیں واپس لے جاؤ۔" احمد بن طولون کا مقصد پورا ہو چکا تھا اور اب کسی کو اعتراض کی ہمت نہ ہو سکتی تھی۔

جب دولت طولونیہ برباد ہوئی تو سعید القاص نے آل طولون کا ایک مرثیہ کہا۔ اس مرثیے میں سقایہ کے متعلق کہتا ہے[۱۶۴]؎

۱۶۴؎ الکندی ص ۲۵۵، ۲۵۶ + خطط ج ۲۔ ص ۲۵۸ +

وعین مَعِینُ الشرب غیر زکیّۃٍ　　وَغیر اُجاج لِلشّ واۃ و للمُطھرِ
کانّ وفود النیل فی جنباتھا　　تروح وتغدی بین مَدّ الی جزر
فارفاھا مستنبطًا لمُغیبھا　　من الارض من بطن عمیق الی ظھرِ
بناء لو ان الجن جاءت بمثلہِ　　بقیلی لقد جاءت لمستفظع نکرِ
بمر علی ارض المغافر کلھا　　وشعبان والاحمور والحی من البشر
قبائل لونؤا السحاب یمُدّ ھا　　لا النیل یر ویھا ولا جدول یجری

یہ سقایہ اب تک موجود ہے گو کھنڈر ہو گیا ہے، اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اُس کی مرمت بھی ہوئی تھی۔ کنواں جبل مقطم کے دامن میں ایک ٹیلے کے نیچے کھدوایا گیا تھا، اور جیسا کہ مصر میں عام دستور ہے، رہٹ کے ذریعے اُس کا پانی سقایہ میں پہنچایا جاتا تھا۔ اور وہاں سے ایک مرتفع نالی کے ذریعہ سے شمال تک پہنچتا تھا۔ یہ نالی شروع میں زمین سے چھ میٹر بلند ہے، لیکن جوں جوں زمین اونچی ہوتی جاتی ہے نالی نیچی ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ آخر زمین کے برابر آ گئی ہے۔ نالی کو ایک پل پر بنایا گیا ہے، جس کی محرابیں نوک دار ہیں اور شکل وصورت میں جامع مسجد کی محرابوں سے ملتی ہیں۔ اصل تعمیر میں سرخ اینٹ اور چونا استعمال ہوا ہے، اور اینٹوں کا قد وقامت وہی ہے جو جامع مسجد کی اینٹوں کا ہے[۱۶۵]۔ ایسا ہونا تعجب خیز بھی نہیں کیونکہ سقایہ اور جامع ابن طولون کا مہندس ایک ہی تھا۔

احمد بن طولون کی سب سے زیادہ مشہور عمارت جامع ابن طولون ہے۔ الکندی[۱۶۶] نے لکھا ہے کہ اہل مصر (فسطاط) نے احمد بن طولون سے شکایت کی کہ جمعہ کے دن اس کی فوج اور حبشی غلاموں کی وجہ سے مسجد تنگ ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس نے جبل یشکر پر نئی جامع مسجد بنانے کا حکم دیا، جس کی تعمیر ۲۶۴ھ میں شروع ہوئی اور ۲۶۶ھ میں مکمل ہوئی۔ فتح کے بعد دیارِ مصر میں سب سے پہلی مسجد عمرو بن العاص نے فسطاط میں تعمیر کرائی تھی، اور جوں جوں

---

۱۶۵ کاربٹ ص ۵۳۲ +　　۱۶۶ کتاب الولاۃ ص ۲۱۹ +

ضرورت پڑتی گئی اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ پھر بنو عباس کے آغاز خلافت میں فسطاط کے باہر عسکر میں بستی بسائی گئی، تو علی بن صالح الہاشمی حاکم مصر نے ۱۶۹ھ میں وہاں ایک نئی جامع مسجد بنوائی جو جامع العسکر کہلاتی تھی۔[167] یہی ابن طولون کے وقت تک جامع مسجد کا کام دیتی رہی۔ لیکن ۲۶۹ھ میں دوسری مرتبہ اسکندریہ سے واپس آنے پر احمد بن طولون نے نئی مسجد بنانے کا حکم دیا،[168] جس کی وجہ اوپر بیان کی گئی ہے۔ اس کی جائے وقوع جبل یشکر پر ہے۔ یہ پہاڑ قاہرہ اور مصر (فسطاط) کے درمیان واقع ہے، اور عرب قبیلہ 'یشکر بن جدیلہ یا جزیلہ' کے نام پر جبل یشکر کہلاتا ہے۔ قطع نظر اس کے یہ پہاڑی اجابت دعا کی وجہ سے مشہور تھی اور یہ بھی روایت بیان کی جاتی تھی کہ اللہ نے حضرت موسیٰؑ سے یہیں باتیں کی تھیں، یہ مقام اس کام بھی آتا تھا کہ منجنیقوں کو ثغور پر بھیجنے سے قبل ان کی آزمائش یہیں کی جاتی تھی۔[169] قطائع کی تعمیر کے بعد ۲۶۳ھ میں جامع ابن طولون کی تعمیر پر غور کیا۔ اس پر وہ دفینہ خرچ کیا گیا تھا جو احمد بن طولون کو تنور فرعون کے مقام پر ملا تھا۔ جب مسجد کا نقشہ تیار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس عمارت میں تین سو ستونوں کی ضرورت ہوگی، اور احمد بن طولون کو بتایا گیا کہ ان کے حاصل کرنے کی صرف یہی ایک سبیل ہے کہ اریاف اور ضیاع کے تباہ شدہ گرجاؤں سے انہیں لیا جائے۔ مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا، اور بہت دن تک اس معاملے پر غور کرتا رہا۔ آخر اس نصرانی مہندس کو جس نے سقایہ تعمیر کیا تھا اس کی اطلاع ہوئی۔ وہ ابھی تک مطبق ہی میں تھا۔ اس نے وہیں قید خانے سے احمد بن طولون کو لکھا کہ امیر کی مرضی کے مطابق میں مسجد کو بے ستونوں کے تعمیر کرسکتا ہوں، صرف قبلے کے لئے دو ستون درکار ہوں گے۔ احمد بن طولون نے اسے قید خانے سے بلوایا اور دریافت کیا کہ کیا واقعی وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔ نصرانی مہندس نے کھالوں کے ذریعہ تمام نقشہ تیار کر کے دکھایا۔ امیر نے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا، اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ

---

[167] خطط ج ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵ + [168] الکندی ص ۲۱۶ +

[169] خطط ج ۱ ص ۱۲۵ + ج ۲ ص ۲۶۵ +

بجائے ستونوں کے مسجد کی چھت کھمبوں پر قائم کی جائے۔ اسی طرح مسجد کے مینار کے متعلق بھی ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ احمد بن طولون کبھی کوئی کام بے کار نہیں کرتا تھا۔ ایک دن وہ کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے اُسے لپیٹ رہا تھا کہ اچانک اُسے خیال آیا کہ یہ عبث کام ہے، مگر اُس نے فوراً مسجد کے معمار کو بلا کر حکم دیا کہ مسجد کا مینار اس شکل کا بنایا جائے۔ بہرحال اُس نے مہندس کو خلعت سے سرفراز کیا، اور ایک لاکھ دینار اس کے حوالے کئے کہ تعمیر شروع کردے، اور باقی ماندہ رقم حسب ضرورت مہیا کردی جائے گی۔ احمد بن طولون کا خیال تھا کہ مسجد کی عمارت ایسی بنائی جائے کہ اگر شہر جل جائے یا غرقاب ہوجائے تو مسجد کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ اسے مشورہ دیا گیا کہ رخام کے ستون استعمال نہ کئے جائیں، اور تمام عمارت جبیر (کھریا مٹی) اور راکھ (رماد) سے تیار کی جائے۔ کیونکہ پتھر آگ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اصلی عمارت میں میضاۃ تعمیر نہیں کیا گیا تھا۔ مسجد کے آخری حصے میں مشروبات اور ادویہ کا ایک ذخیرہ رہتا تھا، اور جمعہ کے دن مسجد میں ایک طبیب مقرر تھا کہ اگر کسی نمازی کو حادثہ پیش آجائے تو فوراً اس کا تدارک کیا جاسکے۔ جب مسجد تیار ہوگئی تو تانبے کی زنجیروں میں فانوس (مفرغہ؟) اور قندیلیں آویزاں کی گئیں عبدانیہ اور سامانیہ چٹائیوں کا فرش کیا گیا۔ قرآن شریف کے متعدد صندوق مہیا کئے گئے، اور قرّاء اور فقہا مسجد کے لئے مقرر کئے گئے۔ پہلے جمعہ کو قاضی ابوبکرہ بکار بن قتیبہ نے نماز پڑھائی اور ربیع بن سلیمان نے اس حدیث نبوی پر ایک تقریر کی:۔

"من بنی للہ مسجداً، ولو کمفحص قطاۃ، بنی اللہ لہٗ بیتاً فی الجنۃ"۔

ختم نماز کے بعد خیرات کا سلسلہ شروع ہوا، احمد بن طولون نے بہت بڑی رقم صدقہ کی اور فقرا ومساکین کو کھانا تقسیم کیا۔ "وکان یوماً عظیماً حسناً۔" اس پہلی نماز جمعہ کے موقع پر ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ ابویعقوب البلخی نے خلیفہ معتمد اور اس کے بیٹے کے لئے تو دعا کی مگر احمد بن طولون کو بھول گیا، اور منبر پر سے اتر آیا۔ احمد نے نسیم خادم کی طرف اشارہ کیا کہ اسے

پانچ سو چابک لگائے جائیں۔ اب خطیب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ پھر منبر پر آیا اور کہا کہ: ولقد عاہدنا الیٰ آدم من قبل ولم نجد لہ عزماً[۱۷۰]۔ اس کے بعد احمد بن طولون کی تعریف اور دعا میں ایک پورا خطبہ کہہ ڈالا۔ اس پر احمد بن طولون نے نسیم کو حکم دیا کہ خطیب کو پانچ سو دینار انعام دئے جائیں۔

تعمیر مسجد کے دوران میں احمد بن طولون نے دیکھا کہ ماہ رمضان میں صناع عشاء کے وقت بھی کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُس نے کہا کہ یہ ضعفاء اپنے بال بچوں کے لئے افطار کا سامان کب خریدتے ہوں گے؟ انھیں عصر کے وقت چھوڑ دیا جائے۔ رمضان گزر گیا تو اُس سے درخواست کی گئی کہ پرانا قاعدہ پھر جاری کر دیا جائے لیکن اُس نے کہا کہ مجھے ان کی دعاؤں سے برکت حاصل ہوئی ہے، اس لئے رمضان کا عمل جاری رہے۔ اس کے بعد مصر میں یہ عام قاعدہ ہو گیا تھا کہ مزدوروں کو عصر کے وقت چھوڑ دیا جاتا تھا۔ مسجد کی تعمیر رمضان ۲۶۶ھ میں مکمل ہوئی، اور اس پر ایک لاکھ، یا بقول ابن تغری بردی[۱۷۱] ایک لاکھ بیس ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔ ابن عبدالظاہر نے بیان کیا ہے کہ جب مسجد تیار ہو گئی تو احمد بن طولون نے جاسوس مقرر کئے کہ وہ دیکھیں کہ لوگ مسجد کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ عام طور پر تین اعتراض مسجد پر کئے جا رہے ہیں۔ ایک تو کہا جاتا ہے کہ محراب چھوٹی ہے، دوسرے مسجد میں ستون نہیں، اور تیسرا اعتراض یہ تھا کہ میضاۃ نہیں ہے۔ اس پر احمد بن طولون نے لوگوں کو جمع کیا اور انھیں بتایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تھا اور آپ نے بہ نفس نفیس محراب کا خط کھینچا تھا۔ رہ گئے ستون، میں نے یہ مسجد مال حلال یعنی دفینے سے تعمیر کی ہے، اور ستون کو حاصل کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ تھا کہ وہ کسی پرانی مسجد یا کسی منہدم شدہ گرجا سے لئے جاتے۔ لیکن میں نے اسے پسند نہیں کیا۔ میضاۃ سے مسجد میں صرف نجاست پھیلتی ہے۔ اس لئے میں نے اسے تعمیر نہیں کرایا۔ اب میں

---

۱۷۰ سورۂ طٰہٰ آیت ۱۱۴ +

۱۷۱ النجوم الزاہرہ۔ ج ۲۔ ص ۸ +

مسجد کے پیچھے اُسے تعمیر کرا دوں گا۔[۱۷۲]

جامع ابن طولون کی محراب کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ قبلے سے منحرف ہے۔ اس بارے میں مقریزی نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ ایک تو کہا جاتا ہے جب اس کی تعمیر شروع ہوئی ہے تو احمد بن طولون نے خاص طور پر ایک شخص مدینہ بھیجا تھا کہ مسجد نبوی کی سمت دیکھ کر آئے' اور اُس نے اسی سمت کا اقتداء کیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ نے بہ نفس نفیس محراب کی تخطیط فرمائی تھی۔ بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ یہ محراب اکثر معرض بحث میں آئی تھی اور بالآخر قاضی القضاۃ عزالدین عبدالعزیز بن محمد بن جماعۃ کے زمانے میں علمائے نے آخری فیصلہ کیا تھا کہ محراب واقعی قبلہ سے منحرف ہے۔ مگر اس کا کوئی تدارک نہیں کیا گیا۔[۱۷۳]

اس جامع کے متعلق تین روایتیں اوپر کے صفحوں میں بیان ہوئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کی تعمیر اُس دفینے سے ہوئی تھی جو احمد بن طولون کو تنور فرعون میں ملا تھا۔ دوسرے ستونوں کا مسئلہ پہلے ناقابل حل معلوم ہوتا تھا' اور بالآخر نصرانی مہندس نے اُسے حل کیا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ احمد بن طولون کو محض کاغذ لپیٹتے لپیٹتے یہ خیال آیا تھا کہ مینار پیچ کش نما بنایا جائے۔ کاربٹ اور کریسول دونوں نے ان روایات کو ناقابل اعتبار اور محض افسانہ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک احمد بن طولون کو جامع کی تعمیر کے لئے کسی دفینے کی ضرورت نہیں تھی۔ کاربٹ کا خیال ہے کہ یہ رقم ظلم و تعدی سے وصول کی گئی تھی' اور لین پول نے لکھا ہے کہ اُس کے اور احمد بن طولون کی دوسری عمارتوں کے لئے

---

[۱۷۲] مقریزی (خطط ج ۲۔ ص ۲۶۵ + ۲۶۹) نے جامع ابن طولون کی تعمیر کے حالات اور اس کی جامع و مانع تاریخ بیان کی ہے۔ القلقشندی (ج ۳۔ ص ۳۴۴) نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا' اور نہ کسی اور مورخ نے کوئی نئی بات لکھی ہے۔ مقریزی اور ابن زولاق ہی دو مصنف ہیں جن میں تفصیلی حالات ملتے ہیں۔

[۱۷۳] مقریزی (خطط ج ۲۔ ص ۲۵۶۔ ۲۶۴) نے مصر کی محرابوں پر تفصیل سے بحث کی ہے' اور ان کے متعلق جو اختلاف واقع ہوئے ہیں ان کا ذکر کیا ہے۔

عیسائیوں کو لوٹا گیا تھا۔ ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں کہ یہ تمام خیالات ان مصنفوں کی ایجاد ہیں۔ ورنہ تاریخوں سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ دفینے کا ملنا بجائے خود اتنی اچھنبے کی بات نہیں کہ اسے باور نہ کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ مصر میں کھمبوں پر عمارت کی تعمیر ضرور نئی بات تھی۔ لیکن احمد بن طولون سامرا کا رہنے والا تھا، اور وہاں کی جامع مسجد میں یہ طرز تعمیر پہلے استعمال ہو چکا تھا۔ اس کی تصدیق مقریزی[۱۷۴] سے بھی ہوتی ہے جس نے لکھا ہے کہ جامع ابن طولون میں جامع سامرا کے نقشے کی نقل کی گئی تھی۔ پھر یہ بھی یاد ہوگا کہ احمد بن طولون ایسی عمارت بنانا چاہتا تھا کہ جس پر آگ اور پانی کا اثر نہ ہو، اور اسے مشورہ دیا گیا تھا کہ رخام استعمال نہ کرے۔ ممکن ہے کہ مصر میں چونکہ پہلے ایسی عمارت نہیں بنی تھی اس لئے سمجھنے اور سمجھانے میں دقت پڑی ہو، اور نصرانی مہندس نے اس مشکل کو حل کیا ہو۔ یہی حال مینار کا ہے۔ اس کا نمونہ بھی احمد بن طولون کے وطن سامرا میں پہلے سے موجود تھا، اور یہاں بھی ممکن ہے کہ معماروں اور مہندسوں کو سمجھانے کے لئے احمد بن طولون نے کاغذ لپیٹ کر معماروں کو تعمیر اور شکل کا نمونہ دکھا دیا ہو۔

یہاں تک ہمیں علم ہے ادریسی[۱۷۵] ہی ایک ایسا مصنف ہے، جس نے لکھا ہے کہ احمد بن طولون نے مصر (فسطاط) میں دو جامع مسجدیں تعمیر کرائی تھیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:-

وبها اعنی مصر مسجدان جامعان	مصر (فسطاط) میں جمعہ اور خطبہ کے لئے دو جامع مسجدیں۔
للجمعة و الخطبة احدهما بناه	ایک جامع مسجد عمرو بن العاص نے بنوائی تھی، اور چاروں
عمرو بن العاص في وسط الاسواق	طرف بازاروں سے گھری ہوئی تھی۔ یہ جامع پہلے رومیوں
[illegible]	کا ایک گرجا تھا جسے عمرو بن العاص کے حکم سے
[illegible]	مسجد میں تبدیل کیا گیا۔ دوسرے جامع مسجد
[illegible]	موقف کے اوپر ہے۔ اس کا بانی ابو العباس

---

۱۷۴ خطط ج ۲ ص ۲۶۶

۱۷۵ نزہۃ المشتاق ص ۱۴۳

وھو یاعلی الموقق ۔ بناہ ابو العباس	احمد بن طولون ہے ۔ احمد بن طولون کی
احمد بن طولون ۔ و لاحمد بن طولون	ایک اور بھی جامع مسجد ہے، جو اُس نے قرافہ
ایضاً جامع اُخری ۔ بناہُ فی القرافۃ	(قبرستان) میں تعمیر کرائی تھی ۔ یہاں عُبّاد
وھو موضعُ یسکنہ العباد وجمل	و صالحین رہتے تھے ۔
من اھل الخیر و العفاف ۔	

یہاں ادریسی کو مغالطہ ہوا ہے، اور اس کی تصحیح ابن حوقل[176] سے ہوتی ہے ۔ اُس نے فسطاط کے حالات میں جامع عمرو بن العاص اور جامع ابن طولون کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ جب قاہرہ بسایا گیا تو قائد جوہر نے ایک تیسری جامع مسجد تعمیر کرائی ۔ یہ جامع الازہر ہے ۔ اس کے بعد سیدۃ المعزیہ نے قرافہ میں چوتھی جامع مسجد تعمیر کرائی ۔ اسی قرافہ والی جامع مسجد کو ادریسی نے احمد بن طولون کی تعمیر کردہ جامع مسجد سمجھ لیا ہے ۔ مقریزی[177] سے پتہ چلتا ہے کہ السیدۃ المعزیہ تغرید نام ایک عرب کنیز تھی، درزان کہلاتی تھی، اور خلیفہ العزیز باللہ نزار کی والدہ تھی قرافہ میں اُس نے ۳۶۶ھ میں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی تھی، اور مقریزی[178] کے زمانے میں یہ جامع الاولیا کہلاتی تھی ۔ اس سے ادریسی کے اس بیان کی توثیق ہوتی ہے کہ یہ مسجد عباد و صالحین کا مرکز تھی ۔

احمد بن طولون کی ایک اور تعمیر کردہ مسجد تنور فرعون میں قلعۃ الجبل کے عقب میں جبل مقطم کی چوٹی پر واقع تھی[179] تنور فرعون کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قدیم زمانے میں جب

---

[176] کتاب ۔ المسالک والممالک ص ۹۷ +

[177] خطط ج ۲ ۔ ص ۳۱۸ + یہاں یہ نام تعن ید لکھا گیا ہے ۔ لیکن دوسری جگہ (خطط ج ۲ ۔ ص ۴۵۳) تغرید (بالقاف) ہے ۔ ہم نے اسی املا کو ترجیح دی ہے ۔ تعن ید غالباً طباعت کی غلطی ہے ۔

[178] حالات کے لئے دیکھو خطط ج ۲ ۔ ص ۴۴۴ + یہ مسجد دراصل اہل فسطاط کی تفریح گاہ تھی +

[179] خطط ج ۲ ۔ ص ۴۵۵ + الکندی ص ۲۵۵ +

فرعون سفر پر روانہ ہوتا تھا یا سفر سے اپنے دار السلطنت کو واپس آتا تھا تو۔ یہاں آگ روشن کی جاتی تھی تاکہ گرد و نواح کے لوگ اُس کے استقبال کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت یوسف کے بھائی یہودا نے یہاں قیام کیا تھا۔ اس لئے تنور فرعون کو قابل احترام جگہ سمجھ کر ۲۵۹ھ میں احمد بن طولون نے وہاں ایک مسجد تعمیر کرا دی تھی، جسے مسجد تنور کہتے تھے، اور اس کے ساتھ ایک صہریج (حوض) بھی تعمیر کرایا تھا۔ مارستان اور قناطر کی طرح اس مسجد کے بھی اوقاف تھے۔ لیکن یہ مسجد زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہی۔ احمد بن طولون کے بعد اُس کے ایک قائد وصیف بن قاطرمیز نے اس لالچ میں اُسے کھدوا ڈالا کہ اس کی بنیادوں میں مال ملے گا۔ مگر کچھ حاصل نہ ہوا، اور مسجد تنور اور تنور فرعون دونوں تباہ ہو گئے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد کے قندیل سے اب بھی بھولے بھٹکے مسافر کو راستہ معلوم کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔ کیونکہ سعید القاص، جس کے چند اشعار ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں، اُسی مرثیئے میں کہتا ہے ؎

وتنور فرعون الذی فوق قُلَّة | علی شاھق عال علی جبل وَعِر
بنا مسجداً فیہ یفوق بناءہٗ | ویھدی بہ فی اللیل ان ضلّ من یسری
تخال سنا قندیلہ وضیاءہٗ | سھیلاً اذا ما لاح فی اللیل للسَّفر

احمد بن طولون کی ایک اور عمارت دار الامارت ہے۔ یہ عمارت جامع مسجد کے جوار میں تھی، اور اُسی کے ساتھ تعمیر ہوئی تھی۔ جامع کی طرح یہ بھی قبلے کی سمت واقع تھی۔ اس میں سے ایک دروازہ مسجد کی دیوار میں کھلتا تھا، اور اس سے داخل ہو کر محراب و منبر کے پاس مقصورہ میں پہنچ جاتے تھے۔ احمد بن طولون نے یہاں ہر طرح کا ساز و سامان اور فروش اور پردے مہیا کر رکھے تھے۔ چونکہ یہ عمارت قصر اور میدان کے درمیان واقع تھی اس لئے جمعہ کے دن احمد بن طولون اپنے محل سے آکر وہیں آرام کرتا اور وضو کی تجدید اور لباس تبدیل کرتا تھا۔ خلیفہ المعز لدین اللہ کے افریقیہ سے آنے تک یہ عمارت باقی تھی، اور اس میں اموال الخراج کا دفتر تھا۔ ابن زولاق نے بیان کیا ہے کہ ۳۶۳ھ میں جب المعز نے ابو الفرج یعقوب بن یوسف بن

کلس اور عسلوج بن حسن کو اموال کا والی مقرر کیا ہے، تو انھوں نے اسی دار الامارۃ میں اجلاس کیا تھا۔[۱۸۰]

اب احمد ابن طولون کے صرف مارستان کا ذکر کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ مقریزی[۱۸۱] نے اس کا موقع محل بیان کیا ہے، مگر لکھا ہے کہ اُس کے زمانے میں وہ ایسا برباد ہوگیا تھا کہ کھنڈر بھی باقی نہیں رہے تھے۔ یہ مارستان احمد بن طولون کے حکم سے، الکندی کے مطابق ۲۵۹ھ میں اور صاحب السیرۃ الطولونیہ کے مطابق ۲۶۱ھ میں تعمیر ہوا تھا، اور اس پر ساٹھ ہزار دینار خرچ ہوئے تھے۔ تکمیل کے بعد دار الدیوان، اساکفہ (کفشگروں کا بازار) قیساریہ[۱۸۲] اور سوق الرقیق کی آمدنی اس کے لئے وقف کی گئی تھی۔ اس سے قبل مصر میں کوئی مارستان تعمیر نہیں ہوا تھا۔ احمد بن طولون نے لازمی قرار دیا تھا کہ اس میں کسی سپاہی، یا مملوک یا امیر کا علاج نہیں کیا جائے گا۔ اس لحاظ سے یہ حقیقی طور پر ایک رفاہ عام کا کام تھا۔ مارستان سے متعلق دو حمام تھے، ایک مردانہ اور دوسرا زنانہ۔ قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی مریض اس شفا خانے میں آئے تو اپنے کپڑے اور نقدی امین مارستان کے پاس امانت رکھ دے۔ اس کے بعد شفا خانے سے اُس کے لئے کپڑے اور بستر مہیا کئے جاتے تھے، اور غذا اور دوا کے تمام اخراجات بھی شفا خانہ برداشت کرتا تھا۔ اطبا معالجے کے لئے مقرر تھے۔ صحت یاب ہونے پر جب مریض معمولی کھانا کھانے لگتا تھا تو شفا خانہ سے رخصت کر دیا جاتا تھا اور کپڑے اور نقدی اُسے واپس مل جاتی تھی۔ احمد بن طولون کو اس مارستان سے اتنی دلچسپی تھی کہ وہ ہر جمعہ کو خود معائنہ کے لئے آتا تھا، اس کے ذخائر دیکھتا،

۱۸۰ء خطط ج ۱۔ص ۸۲، ۳۹۷ + ج ۲۔ص ۲۶۹ +

۱۸۱ء خطط ج ۲۔ص ۴۰۵ + القلقشندی ج ۳۔ص ۳۴۷ +

۱۸۲ء مقریزی (ج ۲۔ص ۸۶۔۹۱) نے فسطاط، قاہرہ کے متعدد قیاسر کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک قیساریہ (ص ۹۱) احمد بن طولون کے زمانہ کا ہے اور "قیساریۃ الجامع الطولونی" کہلاتا ہے۔ یہ قیساریہ قصر سے متعلق عمارتوں میں شمار ہوتا تھا اور احمد بن طولون ہی کا بنایا ہوا تھا۔ یہاں اسی قیساریہ سے مراد لی گئی ہے، جس کی آمدنی مارستان کے لئے وقف تھی۔

اطبائے ملتا اور مریضوں سے بات چیت کرتا۔ اسی مارستان کے ایک حصے میں پاگل خانہ بھی تھا۔ ایک جمعہ کو وہ حسب دستور معائنہ کے لئے آیا، اور ایک دیوانے نے جسے اسی کی خواہش پر اسیر کے سامنے ایک انار مہیا کیا گیا تھا، اُسے غافل پاکر انار اُسے کھینچ مارا۔ اس کے بعد احمد بن طولون نے وہاں آنا چھوڑ دیا۔ افسوس ہے کہ مارستان کے اندرونی انتظامات کی پوری تفصیل بیان نہیں کی گئی۔ مگر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مریضوں کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس کے تقریباً چار سو برس بعد ۶۸۳ھ (م ۱۲۸۴ء) میں ملک المنصور قلاؤن نے ایک مارستان القدیم المنصوری قاہرہ میں تعمیر کرایا تھا۔ مقریزی[۱۸۳] نے اس کے حالات بہت تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ان کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم موجودہ زمانے کے کسی اعلیٰ درجے کے شفاخانے کے حالات پڑھ رہے ہیں، اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اُس وقت تک مارستان اسلامی دنیا میں عام ہو چکے تھے۔

۷

ذکر ہو چکا ہے کہ احمد بن طولون نے وفات سے قبل اپنے موالی اور خیر خواہوں کو جمع کر کے ان کے سامنے اپنے بیٹے ابوالجیش خمارویہ کو جانشین مقرر کیا تھا۔ وفات کے بعد تمام اہل دولت، جن کا سرگروہ احمد بن محمد الواسطی تھا، جمع ہوئے، اور مشورہ کر کے سب نے بالاتفاق خمارویہ کو جانشین بنانا منظور کیا۔ اس امر پر متفق ہونے کے بعد عباس کو، جو اس وقت تک قید میں تھا اس مجلس میں لائے جہاں خمارویہ بھی موجود تھا۔ الواسطی نے رسم تعزیت ادا کی، اور پھر عباس سے کہا کہ اپنے بھائی خمارویہ کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ مگر عباس نے انکار کیا۔ اس پر موالی میں سے سعد الابسر (یا الآیس یا الاعسر) اور طبارجی کھڑے ہوئے اور عباس کو قصر کے ایک کمرے میں لے گئے جہاں سے دوسرے دن اُس کی لاش ہی برآمد ہوئی۔ اس کے بعد احمد بن طولون کو دفن کیا گیا، اور اور خمارویہ کی حکومت مستحکم ہو گئی۔ جند نے بھی اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ ۱۰ ذی قعدہ ۲۷۰ھ کا

[۱۸۳] خطط ج ۲۔ ص ۴۰۶۔

واقعہ یہ ہے[۱۸۴]۔ قطع نظر اس کے کہ احمد بن طولون بستر مرگ پر خمارویہ کو نامزد کر چکا تھا، عباس کا اپنے باپ کی جگہ لینا اس وجہ سے بھی ناممکن تھا کہ ارباب حل وعقد میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو عباس کی بدخوئی، بدطینتی اور مذموم عادتوں سے نالاں نہ ہو۔ بغاوت کے دوران میں یہ مخاصمت اور بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ اس وقت گو عباس قید میں تھا، لیکن جب تک وہ زندہ تھا تمام قائد اور موالی اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اُس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ احمد الواسطی خاص طور پر گزشتہ واقعات میں پیش پیش رہا تھا، اور یقیناً اُسے عباس سے بدسلوکی کا خوف سب سے زیادہ ہو سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس قتل کے موافق تھا، اور درحقیقت اسی کے مشورے سے عباس کا خاتمہ کیا گیا تھا۔

ان واقعات میں کہیں ان کا پتہ نہیں چلتا کہ خمارویہ کی جانشینی کے متعلق مرکز خلافت سے استصواب کیا گیا ہو، یا جانشینی کے بعد بھی خلیفہ کی منظوری حاصل کی گئی ہو۔ کیونکہ احمد بن طولون کے انتقال کے وقت سیاسی حالت یہ تھی کہ اگر نویری کے مطابق اُس میں اور موفق میں صلح کے متعلق گفت وشنید ہوئی تھی تو اس کی تکمیل سے قبل احمد بن طولون کا انتقال ہو گیا تھا۔ مزید برآں آئندہ واقعات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مصر میں موفق پر لعنت بھیجنے کا حکم ابھی منسوخ نہیں ہوا تھا۔ جو فتوی کہ دمشق سے شائع کیا گیا تھا اُس کے مطابق خلیفہ مجبور ومقہور تھا، اور الموفق ولی عہدی سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ مرکز خلافت سے کسی قسم کا استصواب بے معنی تھا، اور احمد بن طولون کے جانشین اور الموفق میں قانوناً جنگ بدستور جاری تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احمد بن طولون کے بعد گفت وشنید کا سلسلہ یک لخت ہی کیوں منقطع ہو گیا، اور خمارویہ سے کیوں صلح نہیں کر لی گئی۔ اس میں خمارویہ کا قصور نہیں تھا، کیونکہ وہ ایک تن آسان اور آرام طلب شہزادہ تھا، اور اُسی وقت لڑتا تھا جب اُسے جنگ پر مجبور کر دیا جائے۔

---

[۱۸۴] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۵ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۵۰، ۵۱ +

یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ بغداد میں اس وقت یہ سمجھا جاتا تھا کہ طولونیہ کو ختم کرنے کا وقت اب آگیا ہے، اور خمارویہ کی ناتجربہ کاری اور آرام طلبی کی وجہ سے یہ کام اور بھی آسان معلوم ہوتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ خمارویہ کو باپ کا جانشین ہونے کے بعد ہی ان معاملات کی طرف توجہ کرنی پڑی۔ یاد ہوگا کہ جب اسحاق ابن کنداج نے خلیفہ معتمد کو مصر جانے سے روکا ہے تو اُس کے صلے میں اُسے باب الشماسیہ سے برقہ تک تمام علاقوں کا حاکم مقرر کیا گیا تھا، اور اس طرح احمد بن طولون کو معزول کر دیا گیا تھا۔ یہ حکم ابھی تک منسوخ نہیں ہوا تھا۔ جب تک احمد بن طولون زندہ رہا اسحاق بن کنداج اُس کے علاقوں پر قابض اور متصرف ہونے کی ہمت نہ کر سکا۔ لیکن اب خمارویہ کو اُس نے قابل اعتنا نہ سمجھا، اور محمد بن دیوداد، المعروف بہ ابن ابی الساج، حاکم کوفہ کو ساتھ ملا کر شام فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ دونوں متحدین نے موفق سے اس کی اجازت چاہی، اور الموفق نے نہ صرف اجازت دی بلکہ مدد کا بھی وعدہ کیا۔ ابتدا میں دونوں کو بڑی کامیابی ہوئی۔ اسحاق بن کنداج اپنے مستقر سے روانہ ہو کر پہلے رقہ اور عواصم گیا، اور احمد بن طولون کے عامل ابن دعباش سے یہ علاقے لے لئے، پھر حمص، انطاکیہ اور حلب آیا، اور اس کے بعد دمشق پر بھی قابض ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر خمارویہ نے ایک فوج تیار کی اور الواسطی کی سرکردگی میں اُسے شام روانہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور فوج سعد الایسر کی ماتحتی میں ۸ ذی الحجہ ۲۷۰ھ کو براہ بحر روانہ کی[۱۸۵]۔ اس دوران میں الواسطی نے، جو فلسطین میں مقیم تھا، اس خوف سے کہ کہیں خمارویہ اپنے بھائی عباس کا بدلہ اُس سے نہ لے، الموفق سے خط و کتابت شروع کی، اور خمارویہ کے متعلق یقین دلایا کہ اگر اُس کے خلاف نقل و حرکت کی جائے تو اُس کا خاتمہ کر دینا آسان ہوگا۔ بہر حال خمارویہ کی فرستادہ فوج کو اتنی کامیابی ہوئی کہ دمشق پر دوبارہ قبضہ کر لیا گیا، اور وہاں کا نقض عہد کرنے والا حاکم فرار ہو گیا۔ پھر لشکر شیزر گیا۔ اس مقام پر اسحاق بن کنداج اور ابن ابی الساج قابض تھے، اور الموفق کی موعودہ امداد کا انتظار

۱۸۵۔ الکندی ص ۲۳۳، ۲۳۴ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۵۱، ۵۲ +

کر رہے تھے۔ لیکن چوں کہ سردی کا موسم شروع ہو چکا تھا اس لئے خمارویہ کی فوج شہر کے گھروں میں منتشر ہو گئی۔ اس اثناء میں ابو العباس احمد بن الموفق کی سرکردگی میں، جو بعد کو معتضد کے لقب سے خلیفہ ہوا، عراق کا لشکر وہاں پہنچ گیا، اور خمارویہ کے سپاہیوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ بقیۃ السیف نے نہایت بری حالت میں دمشق میں پناہ لی۔ مگر معتضد تعاقب میں تھا، اور خمارویہ کے سپاہی دمشق میں بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ شعبان ۲۷۱ھ میں معتضد نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ اب خمارویہ کی فوج رملہ میں ٹھیری اور خمارویہ کو صورت حال کی اطلاع دی۔[۱۸۶] معتضد اب تک ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ اُدھر خمارویہ بذاتِ خود مصر سے لشکر لے کر روانہ ہوا۔ اس دوران میں ایک نیا واقعہ یہ پیش آیا کہ اسحاق بن کنداج اور ابن ابی الساج جنھوں نے الموفق کی مدد کی امید پر جنگ شروع کی تھی، اس وجہ سے الموفق سے بےزار ہو گئے کہ الموفق نے ان پر بزدلی کا الزام لگایا تھا۔ ایک طرف تو ان دونوں ترک امراء کی عراقی فوج سے علحدگی، اور دوسری طرف یہ خبر کہ خمارویہ بہت بڑی فوج لے کر مصر سے آ رہا ہے، معتضد کو بے چین کر دینے کے لئے کافی تھیں۔ اُس نے چاہا کہ عراق واپس ہو جائے۔ مگر یہ ممکن نہ ہو سکا۔ آخر کار خمارویہ اور معتضد کی فوجوں کا مقابلہ رملہ میں نہر فُطرس (یا بُطرس) کے کنارے اُس جگہ ہوا جہاں پن چکیاں تھیں، اور اسی وجہ سے یہ جنگ واقعۂ طواحین کہلاتی ہے۔ خمارویہ کی فوج گو تعداد میں ستر ہزار تھی اور معتضد کے پاس صرف چار ہزار سپاہی تھے۔ لیکن مصری فوج میں زیادہ تعداد ایسے سپاہیوں کی تھی جنھیں اب تک جنگ کا تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے پہلے ہی حملے میں اس فوج کے پیر اکھڑ گئے، اور خمارویہ بے سروسامانی کی حالت میں میدان جنگ سے ایسا بھاگا کہ پھر مصر ہی میں آ کر دم لیا۔ معتضد نے اسے اپنی فتح سمجھا اور خمارویہ کی چھاؤنی پر قبضہ کر لیا۔ ادھر جنگ سے قبل خمارویہ نے سعد الایسر کی ماتحتی میں ایک فوج کمین گاہ میں مقرر کی تھی۔ سعد الایسر نے

---

۱۸۶ ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۳۷ (حوادث ۲۷۱ھ) + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۵، ۳۰۶ + مروج الذہب ج ۲۔ ص ۲۱۸ +

کمین گاہ سے باہر نکل کر عراقی فوج پر حملہ کر دیا۔ لیکن سعد کو خمارویہ کے فرار ہونے کی اطلاع تھی۔ یہ حملہ بہت کامیاب رہا، اور نہ صرف خمارویہ کی چھاؤنی پر دوبارہ قبضہ کر لیا گیا، بلکہ بارہ میل تک معتضد کا تعاقب بھی کیا گیا۔ معتضد نے دمشق میں پناہ لینی چاہی، مگر اہل شہر نے شہر کے دروازے نہ کھولے۔ اب سعد الایسر کو خمارویہ کے میدان جنگ سے بھاگ جانے کی خبر ملی۔ اب فوج کا کوئی امیر نہیں تھا۔ اس لئے سعد الایسر نے وقتی طور پر خمارویہ کے بھائی ابو العشائر کو امیر فوج بنا دیا، اور میدان جنگ سے آگے بڑھ کر اس نے اور الواسطی نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ یہ آخری موقع ہے کہ تاریخ میں الواسطی کا ذکر آتا ہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں کہ اس کا کیا انجام ہوا۔ دوسری طرف معتضد جب دمشق سے مایوس ہوا تو طرسوس چلا گیا۔ مگر یہاں بھی یازمار مزاحم ہوا۔ مجبوراً معتضد نے شام و فلسطین کو خیرباد کہا اور بغداد واپس چلا گیا۔ یہاں معتضد کا شام سے تعلق بھی ختم ہو گیا، اور یہ ایسی فیصلہ کن جنگ تھی کہ شام و فلسطین پر خمارویہ کا قبضہ مستحکم اور مستقل ہو گیا۔[۱۸۷]

واقعہ طواحین سے بھاگ کر جب خمارویہ مصر پہنچا ہے تو اس نے کمال چالاکی سے جنگ میں اپنی فتح کا اعلان کر دیا تھا۔ جب حقیقی فتح کا مژدہ اس نے سنا تو اسے اور بھی خوشی ہوئی، اور اس نے بہت سا مال خیرات کیا۔ جو اسیران جنگ مصر آئے تھے ان کے ساتھ غیرمعمولی طور پر نیک سلوک کیا گیا۔ پہلے تو خمارویہ نے انھیں اپنے پاس مہمان رکھا، اور اس کے بعد جنھوں نے واپس جانا چاہا انھیں بڑی عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا۔[۱۸۸] اب خمارویہ دوبارہ ذی القعدہ ۲۷۲ھ میں مصر سے روانہ ہو کر ۷ محرم ۲۷۳ھ کو فلسطین پہنچا۔

۱۸۷؎ مقریزی ج ۱۔ ص ۳۲۱ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۵۱، ۵۲ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۳۸، ۱۴۰ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۵، ۳۰۶ + مروج الذہب ج ۲۔ ص ۳۱۸ + الکندی ص ۱۸۲ + طبری ج ۱۱۔ ص ۳۳۰، ۳۳۱ + الیافعی ج ۲۔ ص ۱۸۶ +

۱۸۸؎ ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۴۰ +

اس دوران میں یہاں یہ تبدیلی ہوئی کہ سعد الایسر نے غالباً جنگ طواحین میں خمارویہ کے فرار کو اس کی بزدلی پر محمول کیا' اور مقبوضہ علاقوں پر خود قبضہ جمانے کی فکر کرنے لگا۔ یہی خبر خمارویہ کو مصر سے فلسطین لائی تھی۔ لیکن سعد الایسر زیادہ دن تک خمارویہ کا مقابلہ نہ کر سکا' اور بلا کسی بڑے واقعے کے اُسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اور ۷ محرم کو خمارویہ دمشق میں داخل ہو گیا۔[189] لیکن ابھی تک اسحاق بن کنداج اور ابن ابی الساج کا خطرہ باقی تھا۔ ان دونوں ترک امراء کو عراقی فوج سے جس مدد کی اُمید تھی وہ جنگ طواحین کے بعد بالکل ہی ختم ہو گئی۔ مگر خمارویہ سے ان کی مخالفت بدستور جاری رہی' اور خمارویہ کو بھی ان کی طرف سے اطمینان نہیں ہوا۔ سعد الایسر کے خاتمے کے بعد ہی رافقہ کے علاقے میں باجروان کے مقام پر اُس کا مقابلہ اسحاق بن کنداج سے ہوا۔ ایک مرتبہ پھر مصری فوج ثابت قدم نہ رہی۔ لیکن جو کار آزمودہ سپاہی خمارویہ کے ساتھ تھے انھوں نے شکست ماننے سے انکار کیا اور خمارویہ کے ذاتی تہور سے انھیں اور بھی مدد ملی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسحاق بن کنداج نے شکست کھائی اور خمارویہ نے شکست خوردہ فوج کا سامرا تک تعقب کیا۔[190]

اسحاق بن کنداج کی یہ شکست خمارویہ کے لئے بڑی کارآمد ثابت ہوئی۔ واقعۂ طواحین سے عام طور پر خمارویہ کو حقیر سمجھا جانے لگا تھا۔ لیکن اب دوبارہ اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ اس طرح اپنی حالت کو مستحکم کرنے کے بعد خمارویہ نے الموفق سے صلح کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اس معاملے میں خط و کتابت کر کے جو علاقے اُس کے سپرد کئے جائیں اُن کے متعلق مال ادا کرنے کا وعدہ کیا۔[191] ادھر الموفق کو بھی پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ ابھی آل طولون کو مصر سے بے دخل کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لئے یہ درخواست

189؎ مقریزی ج ۲۔ ص ۳۲۱ + ابن تغری بردی ص ۵۳ + الکندی ص ۲۳۶ +

190؎ الکندی ص ۲۳۶ +

191؎ خطط ج ۱۔ ص ۳۲۱ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۵ + الکندی ص ۲۳۷ +

منظور کی گئی، اور رجب ۲۷۳ھ میں فائق خادم خلیفہ کا فرمان لے کر فسطاط آیا جس کے مطابق خمارویہ اور اُس کی اولاد کو تیس برس کے لئے مصر و شام اور ثغور کا حاکم مقرر کیا گیا تھا اور صلاۃ و خراج و قضا بھی اس کے سپرد کئے گئے تھے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ فرات سے لے کر برقہ تک کے تمام علاقے آل طولون کو دے گئے تھے۔ فائق نے خمارویہ کو یہ بھی اطلاع دی کہ یہ فرمان معتمد، الموفق اور ابو العباس احمد بن الموفق (معتضد) نے "تعظیماً لخمارویہ" اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ خمارویہ کو اس عزت افزائی سے اور بھی خوشی ہوئی۔ سلخ رجب ۲۷۳ھ کو خمارویہ مصر واپس آیا۔ الموفق کو ولی عہدی سے الگ کرنے کا فتویٰ واپس لیا گیا، اور اُس پر جو لعنت بھیجی جاتی تھی اُسے بھی منسوخ کر دیا گیا۔ الکندی اور ابن تغری بردی دونوں اس پر متفق ہیں کہ یہ موقع تھا کہ جب لعنت بھیجنے کا عمل موقوف کیا گیا ہے۔[۱۹۲]

خلیفہ کی اس منظوری اور خمارویہ کے اس تقرر سے آل طولون کی وہی حیثیت باقی رہی جو احمد بن طولون کے وفات کے وقت تھی۔ اب خمارویہ کو باغی اور غیر قانونی عامل مصر نہیں کہا جا سکتا تھا، بلکہ اُسے قانونی طور پر احمد بن طولون کا جانشین تسلیم کر لیا گیا تھا۔ صرف تیس برس ہی کے لئے کیوں نہ ہو، لیکن امارت مصر آل طولون میں موروثی قرار دے دی گئی تھی، اور اس کا امکان تھا کہ آیندہ حالات اور واقعات کے لحاظ سے اس مدت میں توسیع کر دی جائے۔ خمارویہ بھی اپنے باپ کی طرح اب المفوض کے ممالک مفوضہ کا محض ایک وکیل تھا۔ اس لحاظ سے سکون پر خمارویہ کے علاوہ اب بھی صرف المفوض کا نام مسکوک ہوتا تھا، مگر خطبوں میں المفوض اور الموفق کا نام بحیثیت ولی عہد خلافت لیا جانے لگا تھا۔ اس تقرر کی منظوری کے متعلق ایک اور امر بھی قابل غور ہے۔ فائق خادم جو یہ فرمان لے کر مصر آیا تھا، اُس نے خمارویہ کو اطلاع دی تھی کہ فرمان خلیفہ، الموفق اور معتضد نے بدست خاص لکھا ہے۔ صرف اتنی سی بات کو خمارویہ نے اپنی عزت افزائی سمجھا تھا، اور اُسے بہت خوشی ہوئی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ گو خلفا

---

[۱۹۲] کتاب الولاۃ ص ۲۳۷، ۲۳۸ + النجوم الزاہرہ ج ۲ ص ۵۴، ۵۵ +

عباسیہ اس وقت بڑی حد تک اپنا سیاسی اقتدار کھو چکے تھے، اور انھیں مجبور ہو کر امراء صوبہ جات کے تقرر کی منظوریاں دینی پڑتی تھیں لیکن اسلامی سیاسی اتحاد کا تخیل زندہ تھا، اور خواہ ذاتی طور پر امراء کیسے ہی تمرد کا اظہار کریں، مگر وہ ہر حالت میں اپنے آپ کو خلافت سے وابستہ، اور خود کو خلیفہ کا مولیٰ ہی سمجھتے تھے۔ اس سے بھی زیادہ نمایاں مثال بیکر[۱۹۳] نے نقل کی ہے کہ اخشید نے خلیفہ متقی سے مدد کی درخواست کی تھی، اور متقی نے جو محض برائے نام خلیفہ تھا، اس درخواست کے جواب میں اُسے بجائے نام کے کنیت سے مخاطب کیا تھا، اور اخشید نے اس معمولی سی بات کو بھی اپنی عزت افزائی سمجھا تھا۔[۱۹۴]

اب خلیفہ کے اس تقرر سے اسحاق بن کنداج اور ابن ابی الساج بھی خمارویہ کے خلاف بے دست و پا ہو گئے تھے، اور قانوناً وہ یہ نہیں کر سکتے تھے کہ اُسے برطرف کرنے کے لئے اپنی جد و جہد جاری رکھیں۔ ایسی صورت میں ان کا اتحاد بھی قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ ابن الاثیر[۱۹۵] کے مطابق ۲۷۳ھ ہی میں اُن کے آپس میں بگاڑ شروع ہوا۔ وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ابن ابی الساج تقدم حاصل کرنا چاہتا تھا، اور اسحاق بن کنداج اس کا مخالف تھا۔ آخر کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن ابی الساج نے رُخ بدل دیا، اور خمارویہ سے خط و کتابت کر کے اس کی اطاعت قبول کر لی، اپنے زیر تصرف علاقے قنسرین میں اس کے نام کا خطبہ پڑھوایا، اور اپنے بیٹے دیوداد کو بطور یرغمال خمارویہ کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بدلے میں خمارویہ نے ابن ابی الساج اور اس کے قائدوں کے لئے بہت بڑی رقم (مالاً جزیلاً) اُس کے پاس بھجوائی۔ اس کے علاوہ خمارویہ بذات خود

---

۱۹۳ باڈی تراگ ص ۱۸۴ +

۱۹۴ گولدزیہر (محمد ا۔ نشٹے استودین ج ۲ ص ۲۶۷) نے اس پر بحث کی ہے کہ کسی شخص کو کنیت سے مخاطب کرنا باعث عزت سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً خلیفہ الواثق اسحاق بن ابراہیم موصلی کو ہمیشہ کنیت سے مخاطب کیا کرتا تھا "دفعالہٗ" (اغانی ج ۵ ص ۶۰) اور ہارون رشید نے ابراہیم موصلی کی کنیت ابو صفوان مقرر کی تھی۔

۱۹۵ تاریخ کامل ج ۷ ص ۱۴۱ +

شام روانہ ہوا، اور بالس کے مقام پر اُس کا اور ابن ابی الساج کا اجتماع ہوا۔ اب ابن ابی الساج دریائے فرات کو عبور کرکے رقہ آیا، اور اسحاق بن کنداج سے اُس کا مقابلہ ہوا۔ اسحاق بن کنداج نے شکست کھائی اور ابن ابی الساج نے اُس کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ خمارویہ بھی دریائے فرات عبور کرکے رافقہ پہنچا۔ ابن کنداج نے ماردین میں پناہ لی۔ ابن ابی الساج نے اُس کا محاصرہ کیا اور ابن کنداج مجبوراً وہاں سے موصل چلا گیا پھر دونوں کا مقابلہ برقعید میں ہوا۔ انجام کار ابن ابی الساج جزیرہ اور موصل پر قابض ہو گیا اور ان علاقوں پر خمارویہ اور پھر ابن ابی الساج کا نام خطبے میں لیا جانے لگا۔[196] مگر یہ کامیابی ابن ابی الساج اور خمارویہ میں بگاڑ کا باعث ہوئی۔ ۲۷۴ھ میں خمارویہ پھر مصری لشکر کے ساتھ ابن ابی الساج کے مقابلے کے لئے آیا، اور محرم ۲۷۵ھ میں ثنیۃ العقاب میں ابن ابی الساج کو شکست دے کر اُس کا جو مال حمص میں تھا اُس پر بھی قبضہ کرلیا، اور اس کے تعقب میں مدینۃ بلد تک پہنچا۔[197] اس جھگڑے کا آخر خاتمہ یوں ہوا کہ ابن ابی الساج کو خلافت کی طرف سے آذربائی جان کا والی مقرر کر دیا گیا۔ اسحاق بن کنداج نے خمارویہ سے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی، اور آخر دونوں میں مصاہرت کے تعلقات قائم ہو گئے، اور اُس کے علاقوں میں خمارویہ کا نام خطبوں میں لیا جانے لگا۔[198] ابن کنداج کا انتقال ۲۷۸ھ میں مصر ہی میں ہوا۔ اُس کا بیٹا محمد بن اسحاق بن کنداج اُس کے عمال پر اُس کا جانشین ہوا۔[199] اپنے باپ کی طرح وہ بھی مصر میں رہا۔

۲۷۵ھ تک خمارویہ اپنے تمام منصوبوں میں کامیاب رہا تھا۔ خلیفہ نے مصر و شام و ثغور پر اس کو موروثی حق ولایت عطا کر دیا تھا، اس کے دو حریف ابن ابی الساج اور

۱۹۶ـ ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۴۱ (حوادث ۲۷۳ھ) + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۷۵، ۷۶ + ابن خلدون ج ۳۔ ص ۳۳۳ + ج ۴۔ ص ۳۰۶، ۳۰۷ + طبری ج ۱۱۔ ص ۳۳۲ +

۱۹۷ـ ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۴۲ (حوادث ۲۷۵ھ) + الکندی ص ۲۳۸ +

۱۹۸ـ الکندی ص ۲۳۷ +

۱۹۹ـ طبری ج ۱۱۔ ص ۲۳۰ +

اسحاق بن کنداج، جنھیں مرکز خلافت ہی سے اس کے خلاف آمادہ پیکار کیا گیا تھا، زیر ہو چکے تھے اور ان میں سے ابن کنداج اب اس کے دربار کا درحقیقت ایک امیر بن گیا تھا۔ اس طرح اس سال آل طولون کا موقف پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم اور مستقل معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد خمارویہ کو ایک اور بڑی کامیابی طرسوس میں ہوئی۔ یاد ہوگا کہ ۲۷۰ھ میں احمد بن طولون طرسوس سے بے نیل مرام واپس ہوا تھا، اور مازیار وہاں بدستور قابض رہا تھا۔ اس دوران میں ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جنگ طواحین کے بعد ۲۷۲ھ میں جب معتضد نے طرسوس میں پناہ لینی چاہی ہے تو پھر مازیار مزاحم ہوا تھا اور معتضد کو مجبوراً بغداد واپس جانا پڑا تھا[۲۰۰]۔ اس واقعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مازیار نے یہ محسوس کیا تھا کہ وہ یکہ و تنہا تمام مصائب اور حوادث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تفصیلات سے ہم بے خبر ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی نجات صرف اس میں دیکھی تھی کہ خمارویہ سے صلح کر کے طرسوس اس کے حوالے کر دے۔ فریقین میں نامہ و پیام کا بھی ہمیں علم نہیں۔ ابن تغری بردی[۲۰۱] نے صرف اتنا لکھا ہے کہ خمارویہ نے اسے اپنی طرف مائل کر لیا، اور اس سے لطف و کرم سے پیش آیا۔ بطور امداد یا بطور تحائف خمارویہ نے تیس ہزار دینار، پانچ سو زرنگار چادریں (مُطرف)، پانچ سو مویشی اور بے شمار اسلحہ اس کے پاس بھیجے۔ اس پر مازیار نے اس کی اطاعت قبول کر لی، اور ثغور میں خمارویہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ مازیار نے ان تحائف کے بدلے میں پچاس ہزار دینار خمارویہ کے پاس بھجوائے۔ الکندی کے مطابق یہ جمادی الآخر ۲۷۷ھ کا واقعہ ہے[۲۰۲]۔ اس طرح

---

[۲۰۰] ابن الاثیر ج ۷، ص ۱۴۹ (حوادث ۲۷۸ھ) +

[۲۰۱] النجوم الزاہرہ ج ۲۔ ص ۸۲، ۸۳ +

[۲۰۲] ابن خلدون ج ۷۔ ص ۳۰۷ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۴۶ (حوادث ۲۷۷ھ) + ص ۱۴۹ (حوادث ۲۷۸ھ) + الکندی ص ۲۳۹ + طبری ج ۱۱۔ ص ۳۳۴ + ابن خلدون اور ابن الاثیر نے مُطرف (چادر خز چہار گوشہ نگار ین) اور طبری نے ممطر (مایلبس فی المطر یتوقی بہ) لکھا ہے۔ مگر یہاں بجائے ممطر کے مطرف زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ تحائف کی تعداد میں بھی طبری اور دوسرے مورخوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

بغیر لڑے خمارویہ ثغور کا مالک ہو گیا۔

بہتر ہے کہ طرسوس کی باقی ماندہ تاریخ بھی سلسلے کی غرض سے یہیں بیان کر دی جائے۔ اس میں ہمیں سب سے زیادہ مدد ابن الاثیر[۲۰۳] اور ابن خلدون[۲۰۴] سے ملتی ہے۔ اطاعت قبول کر لینے کے بعد ۲۷۰ھ میں مازیار صائفہ پر گیا، جہاں زخمی ہوا اور جانبر نہ ہو سکا۔ اس کی موت پر ابن عُجیف، جسے ابن الاثیر نے عجیفی لکھا ہے، طرسوس کا حاکم ہوا، اور خمارویہ نے بھی اس تقرر کی منظوری دے دی۔ لیکن بعد میں اُسے معزول کر کے اپنے برادر عمزاد محمد بن موسیٰ بن طولون کو مقرر کیا۔ اس اثنا میں ثغور میں ایک اور تبدیلی ہوئی۔ ۲۷۸ھ میں الموفق کا انتقال ہوا۔ اُس کا ایک خادم راغب نامی نے آقا کی وفات پر جہاد فی سبیل اللہ کے ارادے سے طرسوس میں مستقل قیام کا ارادہ کیا۔ شام پہنچ کر راغب نے گھوڑے، مویشی، اسلحہ، اور خیمے تو آگے طرسوس بھیج دئے اور خود خمارویہ سے ملنے اور اُسے اپنے ارادے کی اطلاع دینے کی غرض سے دمشق چلا گیا۔ خمارویہ نے حسب عادت اس کی بڑی خاطر و مدارات کی، اور راغب اس سے اتنا متاثر ہوا کہ رخصت کی اجازت لینے میں اُسے شرم آئی۔ دمشق میں طویل قیام کی وجہ سے اس کے ساتھیوں کو طرسوس میں یہ خیال ہوا کہ خمارویہ نے اُسے گرفتار کر لیا ہے اور وہ اس لئے اور بھی زیادہ رنجیدہ ہوے کہ خمارویہ نے ایک ایسے شخص کو گرفتار کیا ہے جس کا مقصد صرف جہاد فی سبیل اللہ تھا۔ آخر شورش ہوئی اور اہل طرسوس نے حاکم شہر محمد بن موسیٰ بن طولون کو یہ کہہ کر گرفتار کر لیا کہ جب تک خمارویہ راغب کو نہ چھوڑے گا تو بھی قید رہے گا۔ ان لوگوں نے محمد بن موسیٰ کا گھر بھی لوٹ لیا اور اس کی عورتوں کی فضیحت بھی کی۔ خمارویہ کو جب اس کا علم ہوا تو اُس نے راغب کو اس سے مطلع کیا۔ راغب وہاں سے رخصت ہو کر جب طرسوس پہنچ گیا تو لوگوں نے اپنے امیر محمد بن موسیٰ کو رہا کر دیا۔ مگر محمد بن موسیٰ ایسا دل برداشتہ ہوا کہ وہ وہاں سے اہل طرسوس سے یہ کہہ کر کہ "قبحکم اللہ" جوار کرم "بیت المقدس" چلا آیا۔ اب ابن عجیف پھر خمارویہ کی طرف سے طرسوس کا حاکم مقرر ہوا، اور ۲۸۱ھ میں

---

۲۰۳ تاریخ کامل۔ ج ۷۔ ص ۱۴۹۔ (حوادث ۲۷۰ھ)

۲۰۴ تاریخ ج ۴۔ ص ۳۰۷، ۳۰۸

طُغج بن جُف الفُرغانی کو صائفہ کا افسر مقرر کیا گیا۔ اس ترک امیر کا نام آئندہ اکثر سننے میں آئے گا۔ خمارویہ اور اس کے بیٹے جیش کے مرنے کے بعد ۲۸۳ھ میں راغب نے طرسوس پر غلبہ پا کر ابن عُجیف کو حکومت سے الگ کر دیا۔ اور ہارون طولونی کے لئے دعا کرنی بند کر کے بدر مولائی معتضد کے لئے دعا کرنی شروع کی۔ اس طرح طرسوس اور اعمال ثغور طولونی حکومت سے الگ ہو گئے۔ یہی وجہ تھی کہ ہارون نے معتضد سے ایک نیا معاہدہ کرنے کی درخواست کی تھی، جس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

اس دوران میں اہم واقعات دار الخلافۂ بغداد میں پیش آ رہے تھے۔ ۶ شوال ۲۷۵ھ کو الموفق نے اپنے بیٹے ابو العباس احمد (المعتضد) کو حکم عدولی کی بناء پر گرفتار کرایا۔ معتضد سپاہیوں میں اتنا ہر دل عزیز تھا کہ اس کی گرفتاری کی وجہ سے فوج میں شورش پھیلی، اور بالآخر الموفق نے بذات خود یہ فتنہ فرو کیا۔[۲۰۵] ۲۷۰ھ میں آخر کار الموفق نے صاحب الزنج کا فتنہ ختم کیا۔[عسہ] اور ۲۷۸ھ میں ابھی معتضد معتوب اور قید ہی تھا کہ الموفق بیمار ہو کر بغداد واپس آیا۔ یہ اس کا مرض الموت تھا۔ اسی بیماری کے دوران میں الموفق کی اجازت کے بغیر معتضد کے موالی اُسے الموفق کے پاس لے آئے۔ باپ بیٹے میں دوبارہ ملاپ ہوا، اور الموفق نے اُسی کو اپنا جانشین بنایا۔ ۲۲ صفر ۲۷۸ھ کو الموفق کا انتقال ہو گیا۔ اسی دن قواد اور غلمان نے ابو العباس احمد کے ہاتھ پر المفوض کے بعد ولی عہدی کی بیعت کی، اور معتضد اس کا لقب

---

۲۰۵ طبری ج ۱۱۔ ص ۳۳۳ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۴۴ (حوادث ۲۷۵ھ) +

عسہ۔ اس مضمون کی پہلی قسط (سیاست جنوری ۱۹۴۲ء ص ۷۵) میں ہم نے بیان کیا ہے کہ الموفق کو صاحب الزنج کے خلاف فوج کشی پر مقرر کیا گیا ہے تو اسی وقت معتمد نے اسے الناصر لدین اللہ کا خطاب دیا تھا۔ لیکن تغری بردی (ج ۲ ص ۸۵) نے لکھا ہے کہ یہ خطاب اسے ۲۷۰ھ میں اس وقت دیا گیا تھا جب اس نے صاحب الزنج کا خاتمہ کیا ہے۔ اور یہی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے +

مقرر ہوا۔ جمعہ کے خطبے میں پہلے معتمد پھر المفوض اور اس کے بعد معتضد کا نام لیا گیا۔[۲۰۶] لیکن معتضد کی ہر دلعزیزی سپاہیوں میں برابر بڑھتی چلی گئی، اور معتمد کو بہت جلد محسوس ہوا کہ الموفق کی موت سے اُس کے موقف میں کوئی فرق نہیں پڑا، بلکہ باپ کی طرح معتضد اُس پر حاوی ہے۔ آخر اس دباؤ کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۲۲ محرم ۲۷۹ھ کو المفوض کو ولی عہدی سے خلع کرایا گیا، اور خلیفہ کا فرمان شہروں میں نافذ ہوا کہ معتضد کو براہ راست ولی عہد مقرر کیا گیا ہے۔ جمعہ کے خطبے میں بھی اب معتمد کے بعد صرف معتضد کا نام لیا جانے لگا۔ معتضد نے بھی اپنی طرف سے تمام عمال کو اطلاع دی کہ امیر المومنین نے اُسے اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے، اور تمام امر و نہی اور ولایت و عزل اس کے سپرد کر دے ہیں۔[۲۰۷] چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ۲۰ رجب ۲۷۹ھ کو معتمد کا انتقال ہو گیا، اور ۲۸۰ھ میں المفوض نے بھی وفات پائی۔[۲۰۸]

یہ تمام سیاسی تبدیلیاں، عزل و نصب، اور بالآخر معتضد کی خلافت کا اثر آل طولون پر بہت گہرا پڑا۔ نیا خلیفہ اب صاحب اقتدار تھا۔ وہ بات نہیں رہی تھی کہ خلیفہ مجبور و مقہور ہو اور تمام نامہ و پیام بجائے خلیفہ کے کسی دوسرے شخص سے کرنا پڑے۔ معتضد کی بیعت کے بعد ہی خمارویہ نے اُس کی خدمت میں تحائف پیش کئے، پرانے فرمان کی تجدید چاہی اور یہ درخواست کی کہ اُس کی بیٹی قطر الندیٰ کا نکاح خلیفہ کے بیٹے مکتفی سے کر دیا جائے۔[۲۰۹] مگر معتضد نے کہا کہ خمارویہ اس رشتے سے شرف حاصل کرنا چاہتا ہے اور ہم اس کے شرف میں اس طرح اضافہ کرتے ہیں کہ قطر الندیٰ سے ہم خود نکاح کریں گے۔[۲۱۰] یہ تحائف اور پیغام حسین بن عبداللہ بن منصور الجوہری

---

[۲۰۶] طبری ج ۱۱- ص ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷ + ابن الاثیر ج ۷- ص ۱۴۶ (حوادث ۲۷۸ھ)

[۲۰۷] طبری ج ۱۱- ص ۳۴۰ + ابن الاثیر ج ۷- ص ۱۴۹ (حوادث ۲۷۹ھ)

[۲۰۸] ابو الفداء ج ۲- ص ۵۶ +

[۲۰۹] طبری ج ۱۱- ص ۳۴۱ + طبری نے تحائف کی مکمل فہرست بھی نقل کی ہے۔

[۲۱۰] مروج الذہب ج ۲- ص ۳۲۹ +

المعروف بہ ابن الجصاص[۲۱۱] کے ہاتھ بھیجے گئے تھے۔ دونوں درخواستیں منظور ہوئیں، اور ۲۵ ربیع الاول ۲۸۰ھ کو معتضد کا فرمان مصر آیا جس کے مطابق خمارویہ اور اُس کی اولاد کو تیس برس کے لئے فرات سے برقہ تک تمام علاقوں کا حاکم قرار دیا گیا، اور صلاۃ، خراج اور قضاء اُس کے سپرد کئے گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی شرط کی گئی کے دو لاکھ دینار سالانہ گزشتہ زمانے کے لئے اور تین لاکھ دینار آیندہ سالانہ ادا کئے جائیں[۲۱۲]۔ نظم و نسق کے تمام اخراجات ظاہر ہے کہ خمارویہ کو برداشت کرنے پڑتے تھے۔ فرمان کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں اُن سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ گزشتہ زمانے کا تعین کس طرح کیا گیا تھا، اور خمارویہ سے کتنے گزشتہ برسوں کی رقم وصول کی گئی تھی۔ خلیفہ نے رمضان ۲۸۰ھ میں سیف خادم کے ہاتھ بارہ خلعتیں، ایک تلوار، تاج اور جواہرات کا ایک ہار (وشاح) اس کے پاس بھجوائے[۲۱۳]۔

خلیفہ معتضد سے قطر الندی کی شادی کے حالات اکثر مورخوں نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ سیوطی[۲۱۴] نے جہیز کی پوری کیفیت بیان کی ہے، اور ابن تغری بردی[۲۱۵] نے دوسری تفصیلات بیان کی ہیں۔ شادی کے تمام انتظامات ابن الجصاص کے سپرد تھے اور مورخ اس پر متفق ہیں کہ بعد کے زمانے میں اس شخص کی لامتناہی دولت کا مبدا یہی شادی تھی۔ جہیز پر کل دس لاکھ دینار خرچ ہوئے تھے۔ خمارویہ کا بھائی خزرج، بہن عباسہ اور ابن الجصاص قطر الندی کے ساتھ گئے تھے، اور یہ انتظام کیا گیا تھا کہ سفر میں جہاں کہیں قطر الندیٰ کا قیام ہو وہاں فرش و فروش اور پردوں سے آراستہ اُسے ایک محل تیار ملے۔ چنانچہ ہر جگہ قطر الندی کو

---

۲۱۱ اس شخص کے حالات کے لئے دیکھو نشوار المحاضرہ۔ للتنوخی ص ۲۶۰-۲۶۳ +

۲۱۲ الکندی ص ۲۴۰ + خطط ج ۱ ص ۳۲۱ + ابن تغری بردی ج ۲ ص ۵۵ + اصل الفاظ یہ ہیں: علی ان یحمل فی کل عام من المال مائتی الف دینار عن ما مضی وثلاثمائة الف دینار عن کل عام للمستقبل + ابوالفداء ج ۲ ص ۵۶ +

۲۱۳ الکندی ص ۲۴۰ + ابن تغری بردی ج ۲ ص ۵۵ + ۲۱۴ تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷ +

۲۱۵ ابن تغری بردی ج ۲ ص ۶۸، ۶۹ +

یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے باپ کے محل میں بیٹھی ہے، اور پھر سفر بھی ایسے کیا گیا تھا کہ جیسے کوئی شیر خوار بچہ پنگوڑے میں لیٹا ہو۔ مصر و شام کی سرحد پر جہاں عباسہ کے خیمے نصب کئے گئے تھے وہاں ایک گاؤں عباسہ کے نام پر آباد ہو گیا۔ جو رہبر قطر الندیٰ کے ساتھ تھا اُسے ایک لاکھ درہم انعام دیا گیا تھا[۲۱۶]۔ ۲ محرم سنہ ۲۸۲ھ کو یہ شاہانہ قافلہ بغداد میں داخل ہوا۔ معتضد اس وقت دار الخلافہ سے باہر موصل میں تھا۔ اس لئے قطر الندیٰ کو ابن صاعد کے محل میں ٹھیرایا گیا۔ ۴ ربیع الاول کو معتضد واپس آیا تو اُسے خلیفہ محل میں منتقل کیا گیا۔ اس کے لئے بھی خاص اہتمام کیا گیا تھا، جس کی تفصیل طبری نے بیان کی ہے[۲۱۷]۔ ابن الجصاص نے جواہرات کا ایک بڑا حصہ قطر الندیٰ سے یہ کہہ کر اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا کہ بوقت ضرورت اس کے کام آئے گا۔ مگر اس کی نوبت نہ آئی، کیونکہ پانچ برس بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ سنہ ۲۸۷ھ میں قطر الندیٰ کا انتقال ہو گیا اور اور اُسے قصر اصافہ میں دفن کیا گیا[۲۱۸]۔

مورخ قطر الندیٰ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتا ہے کہ

"وکانت اکمل النساء عصرہا فی الجمال والآداب۔"

اس شادی کے متعلق علی بن عباس الرومی نے کہا ہے[۲۱۹]؎

یا سید العرب الذی زفت لہ ۔۔۔ بالیمن والبرکات سیدۃ العجم

---

۲۱۶ الیافعی ج ۲ ص ۱۹۴، ۱۹۶ + خطط ج ۱ ص ۳۲۲ + مقریزی نے اس شہر کی مختصر تاریخ بیان کی ہے اور لکھا ہے یہ مقام بادشاہوں کی نزہت گاہ بن گیا تھا۔

۲۱۷ تاریخ الرسل والملوک ج ۱۱ ص ۳۴۵، ۳۴۶ +

۲۱۸ طبری ج ۱۱ ص ۳۶۷ + مروج الذہب ج ۲ ص ۳۲۸ +

خصے تاریخ ج ۴ ص ۳۰۷ +

۲۱۹ مروج الذہب ج ۲ ص ۳۴۴ +

اسعد بها کسعود هابك انها ظفرت بما فوق المطالب والهمم
ظفرت بملأ ئی ناظر یها بهجة وضمیرها نبلاً وکفیها کرم
شمس الضحی زفت الی بدر الدجی فتکشف بهما عن الدنیا ظلم

یہاں خط کشیدہ الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں جن میں شاعر نے معتضد اور خمارویہ کو مساویانہ درجہ دے دیا ہے اور ہمیں اس کا علم نہیں کہ ان الفاظ پر کوئی اعتراض کیا گیا تھا۔

اس شان و شکوہ کی شادی کے حالات صرف ایک مرتبہ اس سے قبل تاریخ اسلام میں اس موقعے پر ملتے ہیں جب مامون نے حسن بن سہل کی بیٹی بُوران سے فم الصلح میں شادی کی ہے۔ لیکن مصر کا ملک اس قسم کی فضول خرچی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ مورخوں نے لکھا ہے کہ اس شادی سے خلیفہ معتضد کا حقیقی مقصد ہی یہ تھا کہ آل طولون کو اس بہانے سے بالکل فقیر کر دیا جائے۔ اب یہ حالت ہوگئی تھی کہ اگر خمارویہ کو ایک شمع بھی درکار ہوتی تھی تو وہ بھی اُسے دستیاب نہ ہو سکتی تھی[۲۲۰]۔ ابن تغری بردی[۲۲۱] نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ ۲۸۲ھ میں خمارویہ کا انتقال عین وقت پر ہوا، کیونکہ اگر اس نازک زمانے میں اتفاق سے کوئی بڑی مہم پیش آجاتی تو اموال کی کمی کی وجہ سے خمارویہ اس کا انتظام کرنے سے بالکل قاصر رہتا اور نہ آئندہ وہ اپنی فضول خرچیاں جاری رکھ سکتا تھا۔

اب خمارویہ کے زمانے کا آخری واقعہ بیان کرنا رہ جاتا ہے۔ ۲۸۰ھ میں خمارویہ کی طرف سے احمد بن آبا (یا احمد بن ابالی) نے اور پھر ۲۸۱ھ و ۲۸۲ھ میں خمارویہ کے عامل دمشق طُغج بن جُف نے یونانی سرحد میں داخل ہو کر فتوحات حاصل کیں[۲۲۲]۔ اس کے بعد ۲۸۲ھ میں قیدیوں کی فدا کے لئے

---

۲۲۰ نشوار المحاضرہ ص ۲۶۲ + اس کے علاوہ دیکھو الیافعی ج ۲ ص ۳۲۸ +

۲۲۱ النجوم الزاہرہ ج ۲ ص ۹۵ :۔ وقال بعضهم: فما نت حتفاً حین حاجته الی الموت لانه لو عاش الکثر من هذا حتی یلتمس ما کانت جرت عادة لاستصعب ذلك علیه لو نزلت به ملة لا نقصم۔

۲۲۲ ابوالفداء ج ۲ ص ۵۶ + طبری ج ۱۱ ص ۳۴۳، ۳۴۴ +

یونانیوں اور مسلمانوں میں ایک عارضی صلح (ھدنہ) قرار پائی۔ مگر قبل اس کے کہ یہ فدا مکمل ہو ذیقعدہ ۲۸۲ھ میں خمارویہ کو دمشق میں قتل کر دیا گیا، اور فدا کی تکمیل جیش بن خمارویہ کے زمانے میں ۲۸۳ھ میں ہوئی۔ اس موقعے پر جو مسلمان مرد اور عورت قید سے آزاد کرا دیے گئے ان کی تعداد دو ہزار چار سو پچانوے اور بروایتے تین ہزار تھی۔ یونانیوں اور مسلمانوں میں قیدیوں کا یہ چھٹا تبادلہ تھا[۲۲۲]

خلیفہ کے ساتھ مصاہرت کے تعلقات پیدا کر لینے کے بعد خمارویہ کے لئے بالکل امن چین کا زمانہ شروع ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ اس کے نصیب میں نہ تھا۔ جمعرات کے دن ۸ رشعبان ۲۸۲ھ کو خمارویہ شام روانہ ہوا، اور اسی سفر میں ۲۸ ر ذی قعدہ ۲۸۲ھ کو خمارویہ اپنے بستر پر اپنے ہی غلاموں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کی مدت ولایت، بارہ سال، اٹھارہ دن ہے[۲۲۴]، اور اُس نے صرف بتیس برس کی عمر پائی۔ قتل کے اسباب کے متعلق مختلف روایات نقل کی گئی ہیں[۲۲۵]۔ مگر ان کی تفصیل یہاں بیان کرنا بے سود ہے۔ خلیفہ کو قتل کی اطلاع خمارویہ کے کاتب ابراہیم بن احمد الماذرائی نے دی تھی، جس نے اسی غرض سے دمشق سے بغداد کا سفر صرف گیارہ دن میں کیا تھا۔ اس سے قبل معتضد خمارویہ کے لئے تحائف اور ایک خط دیکر ابن الجصاص کو مصر روانہ کر چکا تھا۔ گا جب خمارویہ کے قتل کی خبر ملی تو ابن الجصاص کو واپس بلا لیا گیا۔ جن غلاموں پر خمارویہ کے قتل کا الزام تھا ان کی تعداد بیس تھی، اور انھیں قصاص میں قتل کر دیا گیا[۲۲۶]۔ اس کے دفن کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ ابن عساکر[۲۲۷] نے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ اُسے حوران میں دفن کیا گیا تھا۔

---

۲۲۳ کتاب التنبیہ والاشراف ص ۱۹۲ + مروج الذھب ج ۲ ص ۳۲۵ +

۲۲۴ الکندی ص ۲۴۱ + ابن خلدون (ج ۴۔ ص ۳۰۸) کے مطابق قتل کی واردات ذی الحجہ میں پیش آئی تھی۔ طبری (ج ۱۱۔ ص ۷۴۳) کی ایک روایت ہے کہ خمارویہ کے قتل کی تاریخ ۳ ر ذی الحجہ ہے۔

۲۲۵ طبری ج ۱۱۔ ص ۳۴۷ + ابن عساکر ج ۲۔ ص ۱۶۷ +

۲۲۶ ابن عساکر ج ۵۔ ص ۱۷۸ +

۲۲۷ تاریخ الکبیر ج ۵۔ ص ۱۷۸

لیکن ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے اُس کا جنازہ تابوت میں مصر لے جایا گیا تھا اور اُسے اُس کے باپ کے پہلو میں دفن کیا گیا تھا۔ اسی موخر الذکر روایت کو دوسرے مورخوں نے صحیح سمجھا ہے۔ جس دن اس کا جنازہ فسطاط پہنچا ہے وہ وہاں ماتم کا دن تھا جس میں خمارویہ کے غلمان، موالی اور ہر مرد عورت نے حصہ لیا[۲۲۸]

(۸)

خمارویہ نے دو خصائل اپنے باپ سے ورثے میں پائے تھے۔ ایک تو بذل و نوال اور دوسرے تعمیرات کا شوق۔ جہاں تک بذل و نوال کا تعلق ہے یہ چیز فضول خرچی کی حد تک بڑھی ہوئی تھی، اور اس کی متعدد مثالیں تاریخوں میں جا بجا مذکور ہیں۔ اس معاملے میں احمد بن طولون اور ابو الجیش خمارویہ میں جو فرق تھا وہ ابن عساکر نے ایک موقع پر خوب ظاہر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کسی نے ابن مہاجر سے پوچھا کہ احمد اور خمارویہ میں کون زیادہ وسیع النفقہ تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ خمارویہ زیادہ کشادہ دل اور وسیع النفقہ ہے۔ لیکن احمد بن طولون مناسب موقعہ اور محل پر خرچ کرتا تھا اور خمارویہ کے اخراجات بے تکے ہوتے تھے[۲۲۹]۔ اس کے اخراجات کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ابن تغری بردی[۲۳۰] کے مطابق خمارویہ کی فوج کے سالانہ اخراجات نو لاکھ دینار اور مطبخ کے ماہانہ اخراجات تیئیس ہزار دینار تھے۔ حرم اور جواری اور اُن کے متعلقات کے اخراجات اس کے علاوہ تھے۔ افسوس ہے کہ خمارویہ کی تعمیر کردہ نہ اب کوئی عمارت موجود ہے اور نہ کسی عمارت کے تفصیلی حالات ہی ملتے ہیں۔ بہرحال ابن تغری بردی[۲۳۱] نے ان عمارتوں کے نام اور بہت ہی مختصر حالات یکجا جمع کر دئے ہیں۔ اپنے باپ کے تعمیر کردہ قصر اور اس کے محاسن میں اضافہ کرنے کے علاوہ خمارویہ نے قصر کے سامنے ایک حوض (فسقیہ) بنوایا تھا، جسے بجائے

۲۲۸ دیکھو مسعودی۔ مروج الذہب ج ۲۔ ص ۳۳۵ +

۲۲۹ ابن عساکر ج ۵۔ ص ۱۷۱۔ کان ابو الجیش اوسع صدراً و اکثر نفقة و احمد کان یعدل فی نفقته وابو الجیش کان یهذل فیها +

۲۳۰ النجوم الزاہرہ ج ۳۔ ص ۶۴ +

۲۳۱ النجوم الزاہرہ ج ۳۔ ص ۵۵ - ۶۴ + اس کے علاوہ دیکھو خطط ج ۱۔ ص ۳۱۶ +

پانی کے پارے سے بھرا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کی وجہ یہ ہوئی کہ خمارویہ کو نیند نہیں آتی تھی، اور طبیب نے یہ علاج تجویز کیا تھا کہ ایک حوض کو پارے سے بھرا جائے، پارے کو مسلسل ہلایا جاتا رہے، اور خمارویہ اس حوض میں سوے۔ چنانچہ اس بات کا خاص طور پر انتظام کیا گیا تھا کہ پارہ متحرک رہے۔ اس حوض کا رقبہ پچاس در پچاس درع تھا، اور اس پر بے انتہا مال خرچ کیا گیا تھا۔ چاندنی رات میں جب چاند اپنی پوری روشنی دے رہا ہو یہ پارے کا حوض بڑا پرلطف نظارہ پیش کرتا تھا۔ قضاعی کی روایت ہے کہ قصر کی تباہی کے بعد مدتوں تک لوگ حوض کی درازوں میں تلاش کرکے پارا نکالا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ قصر ہی میں ایک قبۃ الھوا تعمیر کرایا تھا۔ اس قبے کو ہر موسم کے لئے موزوں بنانے کے واسطے پردوں کا انتظام تھا، اور جاء وقوع ایسی رکھی گئی تھی کہ وہاں سے تمام محل، بستان، صحرا، دریائے نیل، پہاڑ اور پورا شہر نظر آتا تھا۔ قصر میں ان اضافوں کے علاوہ اس نے احمد بن طولون کے میدان سے بھی ایک بڑا میدان بنوایا تھا، جس میں درندوں کے رہنے کے لئے ایک مقام (دار السباع) تھا۔ اس کی طرز تعمیر اور دیگر انتظامات ابن تغری بردی نے بیان کئے ہیں۔ باپ کی خواصوں کے لئے ایک الگ محل بنوایا، جس کے انتظامات اس قدر مکمل تھے کہ ان عورتوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ خمارویہ کو مویشی اور گھوڑوں کا شوق تھا۔ ہر قسم کے مویشی کے لئے الگ الگ اصطبل اور تھان تھے، اور پرانے اصطبلوں کو بھی وسیع کیا گیا تھا۔ فسطاط کے علاوہ جیزہ، نہیا، سفط، اور طھرمُس میں بھی الگ اصطبل تھے۔ ان ضیاع میں سوائے قرظ کے اور کسی چیز کی کاشت نہیں ہوتی تھی تاکہ مویشی اور گھوڑوں کو برابر آذوقہ میسر آتا رہے۔ یہ اصطبل تو خمارویہ کے تھے۔ ان کے علاوہ خلیفہ کے گھوڑوں کے اصطبل الگ تھے، جن میں گھڑ دوڑ کے گھوڑے بھی رہتے تھے اور رباط کے لئے بھی۔ ہر اصطبل کے ملازم الگ الگ تھے، اور اچھی تنخواہیں پاتے تھے۔ خمارویہ کو شکار اور گھڑ دوڑ سے شغف تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ گھڑ دوڑ اسی منظر میں ہوتی تھی جو احمد بن طولون نے فوج کی پریڈ کے لئے بنوایا تھا۔ اس موقعے پر خمارویہ تمام خدم وحشم اور مسلح فوج کے ساتھ گھڑ دوڑ کے

میدان میں آتا تھا۔ اہل فسطاط یہ دن عید کی طرح مناتے تھے اور فوج اور گھر دوڑ دیکھنے کے لیئے جمع ہوتے تھے۔[۲۳۲]

اوپر بستان کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہی بستان خمارویہ کا سب سے بڑا کام سمجھا جاتا ہے، اور اسی کی سب سے زیادہ تفصیل سے ہم واقف ہیں۔ اس کے حالات ابن تغری بردی اور مقریزی دونوں نے بیان کئے ہیں، اور فون کریمر نے اپنی کتاب میں بھی اس عبادت کا ترجمہ کیا ہے۔ فون کریمر کے مضمون کا ترجمہ اُردو میں شائع ہو چکا ہے، اور اسی ترجمے سے ہم یہ حالات نقل کرتے ہیں[۲۳۳]۔ خمارویہ جب اپنے باپ کا جانشین ہوا تو جامع مسجد کے قریب کے میدان میں اُس نے باغ لگوایا۔ اُس میں طرح طرح کے خوشبو دار پھول اور انواع واقسام کے درخت لگوائے تھے۔ اس باغ کے لیئے اُس نے عجیب وغریب درخت اور مختلف قسموں کے گلاب دور دور سے منگائے تھے۔ باغ میں زعفران کی کاشت بھی ہوتی تھی۔ کھجور کے درختوں کے تنوں پر بڑی صناعی سے تانبے کے پترے لپیٹے تھے، اور ان پر سونے کا ملمع کیا تھا۔ ان پتروں اور درختوں کے تنوں کے درمیان سیسے کی نالیاں تھیں۔ جب پانی چھوڑا جاتا تھا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کھجور کی جڑوں سے پانی ابل رہا ہے۔ پانی ایک حوض میں جمع ہوتا تھا، اور نالیوں کے ذریعے تمام باغ میں تقسیم ہوتا تھا۔ کیاریوں میں خوشبودار پھولوں سے طرح طرح کے نقش ونگار بنائے جاتے تھے۔ اکثر کیاریوں میں ان ہی پھولوں سے عبارتیں لکھی گئی تھیں۔ مالی ہر وقت ان پودوں کو تراشتے رہتے تھے کہ پتے حد سے نہ بڑھنے پائیں اور عبارتیں نمایاں رہیں۔ اس باغ کے لیئے کھجور کے درخت اور سبز، زرد اور نیلے رنگ کے نیلوفر خراسان وغیرہ سے لائے گئے تھے، جو دوسرے علاقوں میں کمیاب تھے۔ زرد آلو کے بہت سے ایسے درخت تھے جن میں بادام کا پیوند لگایا گیا تھا۔ خاص طور پر قابل دید چیز باغ کی بارہ دری تھی جو ساگوان کی لکڑی سے

---

[۲۳۲] ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۶۷ +

[۲۳۳] مسلمانوں کی صنعت وحرفت، زراعت وتجارت۔ مترجمہ محمد جمیل الرحمن۔ الہ آباد ۱۹۳۴ء۔ ص ۱۲۳ تا ۱۲۵ +

انعام واکرام دینے کے لئے کوئی مال نہ تھا' کیونکہ خمارویہ بیٹی کی شادی میں خزانہ خالی کرچکا تھا۔
مگر جیش ان کے ساتھ تلطف و مدارات سے پیش آیا اور انھیں اپنی طرف مائل کرلیا۔ اس پر بھی
بہت جلد جیش کی طرف سے سب کو بے اطمینانی ہوئی۔ حکمران ہونے کے بعد حکومت کے
کاموں سے بے خبر ہو کر وہ لہو ولعب اور شراب خوری میں پڑ گیا۔ اوباش لوگ اُس کے
مصاحب تھے۔ ان میں ایک رومی غلام بندقوش اور دو معمولی درجے کے لوگوں خضر اور
ابن البواش کا نام خاص طور پر لیا گیا ہے[۲۳۹]۔ بڑے بڑے امرار اور قواد کو چھوڑ کر انھیں
اوباشوں کی صحبت کو اُس نے ترجیح دی' بلکہ ان پر علانیہ یہ ظاہر بھی کردیا۔ اور یہ بھی کہا' اور
تمام حکومت کا کام وہ انھیں کے سپرد کردے گا۔ ان امرا کی یہ حالت تھی کہ یہ لوگ
زبردست شان وشوکت کے مالک تھے' اور ان میں سے ہر ایک شجاعت اور ریاست میں
یکتا تھا۔ خمارویہ نے اُن کے ساتھ نیک سلوک کرکے انھیں اپنا بنا رکھا تھا لیکن جیش کی
کیفیت یہ ہوگئی تھی کہ ایک مرتبہ بینذ میں مدہوش ہو کر اس نے اپنے اوباش مصاحبوں سے
کہا کہ ان کتّوں (ھولاء الکلاب) سے تم زیادہ تعظیم وتکریم کے مستحق ہو۔ اُس کے یہ الفاظ
ان قواد تک پہنچے اور انھوں نے تصفیہ کیا کہ جیش کو حکومت سے الگ کردیا جائے۔ مگر وہ
اس پر بھی باز نہ آیا' اور قواد کو علانیہ دھمکیاں دیں۔ جیش تفریح کی غرض سے منیتہ الاصبغ
جارہا تھا اور یہ قواد ہم رکاب تھے کہ انھیں ان دھمکیوں کی اطلاع ہوئی۔ اُسی بے سروسامانی
کی حالت میں اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کو مصر میں چھوڑ کر خاقان المفلحی یا البلخی'
محمد بن اسحاق بن کنداج' وصیف بن صوارتکین' بندقہ بن لمجور اس کا بھائی محمد بن لمجور اور
طغج بن جُفّ کا بھائی بدر بن جف' اور اسی طرح کے اور بڑے بڑے قوادتن بتقدیر
تین سو غلام ساتھ لے کر خشکی کے راستے مصر سے چل کھڑے' چند روز صحرا میں سرگرداں

---

[۲۳۹] مسعودی (مروج الذہب ج ۲۔ ص ۳۴۵) نے لکھا ہے کہ یہ صاحب نجح المعروف بہ طولونی اور سلامہ المعروف
بہ مؤتمن تھے' اور اس کے بعد سلامہ قاہر اور راضی وغیرہ کا مقرب رہا تھا + نجح طولونی کا نام ہم آئندہ بھی پڑھیں گے۔

رہے' اور ان کی ایک جماعت پیاسی مرگئی۔ آخر ہزاروں تکلیفیں اٹھاکر وہ کوفہ کے راستے پر نکلے' معتضد کو ان کے آنے کی اطلاع ملی تو صاحب الجیش محمد بن سلیمان نے کوفہ میں ان کا استقبال کر کے ان کے نام خلیفہ کے پاس بھیجے' اور کوفہ سے ان کے لئے وظائف مقرر کئے۔ جب یہ لوگ بغداد پہنچے تو معتضد نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور طعام' وظائف اور خیمے ان کے پاس بھیجے۔ قواد کو گھوڑے زین اور لگام اور باقی آدمیوں کو خلعتوں سے سرفراز کیا۔ اب تلف ہونے کے بعد ان کی تعداد صرف ساٹھ رہ گئی تھی۔ اس واقعے کا اثر جو آل طولون پر پڑا اس کا اندازہ ہم اس طرح کرسکتے ہیں کہ ۲۹۱ھ میں جب خلیفہ مکتفی نے قرامطہ کے خلاف فوجیں بھیجی ہیں تو خاقان المفلحی اور محمد بن المجور ان جنگوں میں حصہ لے رہے تھے[۲۴۰]۔ اس دوران میں مصر سے دور طغج بن جف حاکم دمشق اور ابن طغان حاکم ثغور نے جیش کی اطاعت سے انحراف کیا اور اس کا نام خطبوں سے حذف کر دیا۔ یہ ۲۸۳ھ کا واقعہ ہے۔ اُدھر جو قواد اور امراء مصر میں باقی رہ گئے تھے انھوں نے جمع ہو کر تمام حالات پر غور کیا' اور یہ فیصلہ کیا کہ جیش جیسا شخص مسلمانوں کے امور کا والی بننے کے قابل نہیں ہے۔ لیکن کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ ان درباری جھگڑوں کے متعلق ابن تغری بردی[۲۴۱] نے تین روایتیں بیان کی ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ سب جیش کے بہی خواہ تھے۔ لیکن اس بہی خواہی کے باوجود ہر شخص اپنا بھلا کرنا چاہتا تھا۔ آخری نتیجہ یہ نکلا کہ فوج میں غدر ہوا' اور سپاہیوں نے جیش پر ہجوم کر کے مطالبہ کیا کہ وہ حکومت سے برطرف ہو جائے اور اس کے چچا نصر کو اس کی جگہ حکمران بنایا جائے۔ جیش کے کاتب' یا جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے اُس کے وزیر' علی بن احمد المادرائی نے ایک دن کی مہلت مانگی۔ رات کو جیش نے نصر اور ایک اور چچا کو قتل کرا دیا' اور صبح کو جب فوج جواب کے لئے حاضر ہوئی تو ان کے سر یہ کہہ کر سپاہیوں کے سامنے پھینک دیے گئے کہ لو یہ تمہارے امیر ہیں۔ اس پر فوج نے یکبارگی دھاوا کر کے اُس کی والدہ کو قتل

---

[۲۴۰] طبری ج ۱۱ ص ۳۸۷

[۲۴۱] النجوم الزاہرہ ج ۲ ص ۹۸ - ۱۰۱ +

کردیا، اس کا گھر لوٹ لیا اور جلا ڈالا، اور اس کے بھائی ہارون کی حکومت کا اعلان کردیا۔ پھر علی بن احمد الماذرائی کی تلاش ہوئی، اور اسے بھی قتل کیا گیا۔ جیش کی خلع کا واقعہ ۱۰ رجمادی الآخر ۲۸۳ھ کو پیش آیا۔ چند دن کے بعد جیش کو قید خانے میں قتل کیا گیا۔[۲۴۲] اس کا زمانۂ ولایت ۹ مہینے اور بارہ دن ہے۔

۱۰ رجمادی الآخر ۲۸۳ھ کو ابوموسیٰ ہارون اپنے بھائی جیش کا جانشین ہوا۔ اس کی کوئی مخالفت نہیں کی گئی، بلکہ سب نے متفقہ طور پر اسے حکمران تسلیم کیا، اور ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ فوج نے عطا کا مطالبہ نہیں کیا۔[۲۴۳] اب اختلال ختم ہوکر پھر ایک مرتبہ ملک کو امن چین نصیب ہوا۔ ہارون بھی جیش کی طرح ناتجربہ کار تھا، اور تمام امور حکومت پر جعفر بن ابالی (یا ابن ابا) جو احمد اور خمارویہ کے زمانے میں با اختیار رہ چکا تھا، حاوی اور مستولی تھا۔ اس نے ربیعہ بن احمد بن طولون کو حکم دیا کہ وہ مع اپنے حرم اور اہل و عیال کے ساتھ اسکندریہ میں رہے۔ وہاں جند کے اس حصے نے جو ہارون کے خلاف تھا ربیعہ کو سمجھایا کہ حکومت دراصل اسی کا حق ہے، اور ربیعہ بھی ان کے کہنے میں آگیا۔ باوجود ذاتی تہور کے آخر وہ گرفتار ہوا، اور اسے چابکوں کی سزا دی گئی جس سے جاں بر نہ ہو سکا۔ اب مصر میں امن و امان تھا۔ ہارون کی حکومت مستقل ہو گئی تھی۔ مگر مصر کے باہر حالات بدستور خراب ہوتے چلے جارہے تھے۔ دمشق میں طغج بن جف کی مخالفت جاری تھی۔ آخر ابن ابالی نے احمد بن طولون کے غلام بدر الحمامی

---

[۲۴۲] النجوم الزاہرہ ج ۲۔ ص ۹۸۔۱۰۱ + ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۸ + طبری ج ۱۱۔ ص ۹۴ + طبری اور ابوالفداء (ج ۲۔ ص ۵۷) نے بیان کیا ہے کہ اسی ہنگامے میں جیش قتل ہوا تھا۔ الکندی ص ۲۴۱، ۲۴۲ + مروج الذہب ج ۲۔ ص ۵۴۲ + جیش کی جانشینی سے اس کی موت تک حساب لگایا جائے تو پورے نو مہینے اور بارہ دن نہیں ہوتے۔ لیکن مورخ اس پر متفق ہیں کہ اس کی مدت حکومت اتنی ہی تھی۔

[۲۴۳] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۰۹ + ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۱۰۶۔۱۱۸ + الکندی ص ۲۴۲ +

اور حسن بن احمد الماذرائی کو وہاں بھیجا، اور انجام کار یہ تصفیہ ہوا کہ طغج بن جف کو بدستور دمشق کا حاکم رہنے دیا جائے۔ اس کے علاوہ ان دونوں نے دوسرے اعمال پر بھی ہارون کی طرف سے عامل مقرر کئے۔ لیکن اب مصر میں ابن ابالی کی وجہ سے فتنے شروع ہوے۔ بدر الحمامی، فائق اور صافی تین امراء کو تشویش پیدا ہوئی، اور وہ ابن ابالی سے بےزار ہو کر ملک کے مختلف حصوں پر قابض اور متصرف ہو گئے۔ یہ تشویش اس وجہ سے اور بڑھی کہ ابن ابالی معمولی شکائتیں کر کے ہارون کے درباریوں کو قتل کرا رہا تھا۔ بالآخر ایک معمولی درجے کے قائد کو ترقی دے کر اس نے اُسے بدر الحمامی کے برابر بنا دیا۔ اس واقعے سے یہ لوگ اور بھی ناراض ہو گئے، اور جب صافی کو مصر سے رملہ جلا وطن کیا گیا تو یہ ناراضگی بالکل مکمل اور پختہ ہو گی۔[۲۴۴]

یہ واقعات ۲۸۴ھ کے ہیں، جب انھیں امراء کی ناراضگی کی وجہ سے ہارون برابر کمزور ہوتا جا رہا تھا اور مملکت میں اختلال واقع ہو رہا تھا۔[۲۴۵] طغج بن جف ہارون کی طرف سے ابھی تک دمشق کا والی تھا۔[۲۴۶] طرسوس کے حالات ہم بیان کر چکے ہیں کہ کس طرح وہاں برابر انقلاب برپا ہو رہے تھے۔ ۲۸۴ھ میں یہ کیفیت ہوئی کہ اہل طرسوس نے ہارون کے والی کو نکال دیا، اور یہ بھی دھمکی دی کہ جو کوئی والی ہارون کی طرف سے آئے گا اس کے ساتھ یہی سلوک ہوگا۔ ہارون نے چاہا کہ خمارویہ کی طرح وہ بھی تلطف اور مدارات سے انھیں زیر کر لے۔ مگر یہ بھی ممکن نہ ہوا، اور اسی سنہ میں اہل طرسوس نے حکومت (سلطان) کو لکھا کہ ان کے لئے کوئی والی مقرر کر دیا جائے۔ کیونکہ ان کے شہر میں کوئی والی نہیں ہے (ان بلدهم بغیر والی)۔ خلیفہ معتضد نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ۱۲ ربیع الاول ۲۸۵ھ کو اہل طرسوس کی یہ استدعا منظور کر کے ابن الاخشاد کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔[۲۴۶] اس کا

۲۴۴ھ ابو الفداء ج ۲۔ ص ۵۸ ۲۴۵ھ ایضاً

۲۴۶ھ طبری ج ۱۱۔ ص ۳۵۳، ۳۶۲ +

مطلب یہ تھا کہ ثغور پر ہارون کا قبضہ نہیں رہا۔ اب ہارون کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ باضابطہ طور پر ثغور سے دست بردار ہو جائے۔ چنانچہ ۲۸۵ھ میں اُس نے وصیف قاطرمیز کی سرکردگی میں مصری قواد کا ایک وفد خلیفہ کی خدمت میں بھیجا اور درخواست کی کہ مصر و شام اُسے عطا کر دئے جائیں اور قنسرین، عواصم، دیار ربیعہ اور دیار مضر سے وہ دست بردار ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ بھی وہی مراعات برتی جائیں جو اُس کے باپ خمارویہ کے ساتھ مرعی رکھی گئی تھیں۔ یہ درخواست منظور کی گئی، اور ہارون نے وعدہ کیا وہ سالانہ چار لاکھ پچاس ہزار دینار بغداد کے خزانے میں ادا کرتا رہے گا۔ یہ شرائط لے کر ۲۸۶ھ میں خلیفہ کے خادم بدر القدامی اور عبداللہ بن فتح مصر پہنچے۔ اسی سال ان کی تکمیل کی گئی اور ہارون کو خلعت عطا کی گئی۔ جمادی الاول میں یہ تمام باتیں تکمیل کو پہنچیں اور ۲۳ جمادی الآخر ۲۸۶ھ کو ان صوبہ جات کی حوالگی عمل میں آئی، اور انھیں خلیفہ کے عمال کے سپرد کیا گیا۔ معتضد نے اپنے بیٹے علی المکتفی کو ان علاقوں کا والی مقرر کیا۔[۲۴۷]

اب حالت یہ تھی کہ ۲۸۶ھ میں ہارون کی حکومت تو صرف مصر و شام تک محدود رہ گئی تھی، مگر سالانہ رقم ادا شدنی میں اضافہ کر دیا گیا تھا، اور خمارویہ کے زمانے کے برعکس اس نئی درخواست کو منظور کرتے وقت یہ کہیں ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ آل طولون کی ولایت تیس برس یا اس سے کم عرصے کے لئے برقرار رکھی جائے گی۔ لہذا آل طولون کے لئے حالات اب بہت ہی مخدوش تھے کہ ۲۸۹ھ دو اہم واقعات پیش آئے۔ اس سال ربیع الآخر میں خلیفہ معتضد کا انتقال ہوا، اور علی المکتفی اس کا جانشین ہوا۔ اس سے بھی بڑا انقلاب یہ ہوا کہ ۲۸۹ھ ہی میں قرامطہ شام میں ظاہر ہوئے[۲۴۸]۔ ہارون کے والی دمشق طغج بن جف نے

---

۲۴۷ طبری ج ۱۱۔ ص ۳۶۳، ۳۶۴ + ابو الفداء ج ۲۔ ص ۵۸ + ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۶۲، ۱۶۳ + النجوم الزاہرہ ج ۳۔ ص ۱۲۵ +

۲۴۸ ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۱۱۲، ۱۲۴۔ ۱۳۷ + ابن خلدون ج ۴ ص ۳۰۹ + ابو الفداء ج ص ۵۹ + طبری ج ۱۱۔ ص ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۰ +

یہ غلطی کی کہ قرامطہ کے اس ظہور کو عربوں کا معمولی سا خروج سمجھ لیا' اور کافی تیاری کے بغیر ان کا مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ ہارون نے فوراً بدر الحمامی اور ایک قائد کے ماتحت ایک زبردست فوج شام بھیجی۔ اس کو اتنی کامیابی ضرور ہوئی کہ انھوں نے قرمطی سردار کو قتل کر دیا لیکن فساد برابر جاری رہا' کیونکہ ان لوگوں نے مقتول سردار کی جگہ اُس کے بھائی کو اپنا سرگروہ بنالیا۔ ۲۸۹ھ اور ۲۹۰ھ میں یہ جنگیں جاری رہیں' اور ہر موقع پر یحیٰی بن زکرویہ بن مہرویہ کے قرامطہ نے حکومت کی فوجوں کو شکست دی' بلکہ خود دمشق کا بھی محاصرہ کر لیا' اور طغج بن جف ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ بالآخر ۲۹۰ھ میں یحیٰی بن زکرویہ کو باب دمشق پر قتل کیا گیا۔[249]

بالآخر جب حالات کسی طرح نہ سنبھلے تو ۲۹۱ھ میں مکتفی نے صاحب الجیش محمد بن سلیمان کو فوج دے کر شام بھیجا اور اس فوج نے قرامطہ کی شورش فرو کی۔ اس کے بعد ۲۹۱ھ ہی میں مکتفی نے محمد بن سلیمان اور قواد کی ایک جماعت کو خلعتیں عطا کر کے حکم دیا کہ وہ مصر و شام جائیں اور یہ اعمال ہارون سے لے لیں۔[250] آل طولون کے خلاف حالات کے اس طرح پلٹا کھانے کی کوئی وجہ صریحاً بیان نہیں کی گئی لیکن اس کے مختلف اسباب قرار دیے جا سکتے ہیں۔ ابن الاثیر[251] نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہارون قرامطہ کی شورش فرو کرنے سے عاجز رہا تھا۔ الیافعی[252] نے بالکل صراحت سے بیان کیا ہے کہ "خرج صاحب مصر هارون بن خمارويه عن الطاعة" خواہ قرامطہ کے خلاف اظہار عجز ہو یا خلیفہ کی اطاعت سے انحراف دونوں اسباب ایسے ہو سکتے تھے کہ جن کی بنا پر مکتفی مصر پر فوج کشی کر دے لیکن یہ بھی یاد

---

[249] ابن تغری بردی ج ۲۔ ص ۱۱۳ +

[250] ابن الاثیر ج ۷۔ ص ۱۷۵ +

[251] تاریخ کامل۔ ج ۷۔ ص ۱۷۵ +

[252] مرآۃ الجنان۔ ج ۲۔ ص ۲۲۰ +

رکھنا چاہیے کہ خلفاء عباسیہ نہ بھولتے تھے اور نہ معاف کرتے تھے۔ معتمد کے زمانے سے آل طولون کے خلاف کارروائیاں جاری تھیں، مگر خلافت کے کارکنوں کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اب قرامطہ کے مقابلے میں ہارون کا عاجز رہنا کافی ثبوت تھا اس امر کا کہ انھیں برباد کر دینا آسان ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ مصر میں درباری سازشیں، اور امراء کا مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر ان کی ہارون سے بے زاری بھی اس فوج کشی کا سبب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ابن الاثیر[۲۵۳] نے لکھا ہے کہ قرامطہ کا قلع قمع کرنے کے بعد محمد بن سلیمان شام سے عراق واپس ہونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فائق اور بدر الحمامی کے خطوط اُسے ملے کہ وہ اگر بلاد مصر پر حملہ کرے تو وہ فتح میں اُسے مدد دیں گے۔ محمد بن سلیمان نے بغداد آ کر خلیفہ کو اس کی اطلاع دی اور اُس نے فوراً اس سے فائدہ اُٹھایا۔

محمد بن سلیمان دیار مصر کے شہر رقہ کا رہنے والا تھا۔ جوانی کے زمانے میں تلاش معاش میں مصر آیا اور چند روز سرگرداں رہنے کے بعد احمد بن طولون کے غلام لُولُو کا کاتب مقرر ہوا۔ احمد بن طولون نے بھی اُس پر احسان کیا۔ لیکن جب اُسے لُولُو پہ شبہ ہوا تو اُس نے نہ صرف محمد بن سلیمان بلکہ اُس کے اعزا و اقرباء کا مال و اسباب ضبط کر لیا۔ محمد بن سلیمان جان کے خوف سے بغداد بھاگ آیا۔ یہاں اس کی ترقی مسدود نہیں ہوئی بلکہ اُس کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوا۔ معتمد اور پھر معتضد کے زمانے میں اسے بڑی بڑی خدمتوں پر مامور کیا گیا، یہاں تک کہ وہ جیش کا کاتب مقرر ہوا، اور مکتفی کے زمانے میں "اعظم قواد" میں اُس کا شمار ہونے لگا۔ اس دوران میں وہ آل طولون کو نہیں بھولا، بلکہ مسلسل خلفاء کو ان کی طرف متوجہ کرتا رہا۔ آخر ہارون کے زمانے میں اُسے موقع ملا اور اُس نے مکتفی کو آمادہ کر لیا کہ مصر پہ حملہ کیا جائے[۲۵۴]۔ چنانچہ رجب ۲۹۱ھ وہ بارہ ہزار فوج لے کر بلا تاخیر

---

[۲۵۳] تاریخ کامل ج ۷۔ ص ۱۷۶ +

[۲۵۴] ابن خلدون ج ۴۔ ص ۳۱۰ +

بسرعت تمام مصر روانہ ہوگیا۔ اور شام و فلسطین پر مستولی ہونے کے بعد محرم ۲۹۲ھ میں حدودِ مصر میں پہنچ گیا۔[255] حملے کا انتظام اس طرح کیا گیا تھا کہ بری فوج محمد بن سلیمان کے ماتحت تھی، اور مازیار کے غلام امیر البحر دمیانہ کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ کشتیوں کے ذریعے دریائے نیل میں پہنچ کر مصر (فسطاط) کے سامان رسد (مواد) کے راستے مسدود کردے۔ دمیانہ نے یہ فرض انجام دیا، اور اہل مصر اپنی زندگی سے تنگ آگئے۔ فائق اور بدر الحمامی پہلے ہی محمد بن سلیمان کو مدد کی امید دلا چکے تھے۔ اب اُس نے پھر اُن لوگوں سے خط و کتابت کی، اور بدر الحمامی پہلا مصری امیر تھا جو اس سے مل گیا۔ اس شخص کے اس طرح محمد بن سلیمان کے ساتھ شریک ہوجانے سے اہل مصر کی رہی سہی اُمید بھی جاتی رہی، اور باقی ماندہ قواد بھی امان لے لے کر محمد بن سلیمان کے ساتھ شریک ہونے لگے۔ یہ حالات دیکھ ہارون بھی یکم ذی الحجہ ۲۹۱ھ کو اپنی باقی ماندہ فوج لے کر فسطاط سے نکلا، اور مصر و شام کے سرحدی شہر عباسہ میں قیام کیا۔ یہاں سے اُس نے فائق اور بدر کو لکھا کہ وہ اس کے وفادار رہیں اور وصیف قاطرمیز کو خصیب البربری اور حماد ما بخشی کے ساتھ جنگی جہاز دے کر حکم دیا کہ وہ دریائے نیل میں دمیانہ کو روکیں۔ تینیس میں وصیف قاطرمیز کا مقابلہ دمیانہ سے ہوا، جس میں ہارون کے امیر البحر کو شکست ہوئی اور دمیانہ نے تنیس میں داخل ہو کر اہل شہر کو امان دی اور سکون پیدا کیا۔[256]

ایک طرف یہ ہو رہا تھا، اور دوسری طرف ہارون اپنے اعمام اور اہل و عیال کو لئے عباسہ میں مقیم تھا۔ لیکن بیکاری کی وجہ سے فوج کے سپاہی روز بروز بددل ہوتے جارہے تھے، اور لازمی طور پر شر و فساد کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ اس کے علاوہ فوج کی تعداد

---

[255] ابن الاثیر ج ۷ ص ۱۷۵ + ابن خلدون ج ۴ ص ۳۱۰ + الکندی ۲۴۲ +

[256] ابن الاثیر ج ۷ ص ۱۷۶ + ابن خلدون ج ۴ ص ۳۱۰ + ابن تغری بردی ج ۲ ص ۱۱۶ + الکندی ص ۲۴۴-۲۴۶ +

میں بھی برابر کمی ہوتی جارہی تھی۔ لیکن ہارون دنیا وما فیہا سے غافل لہو و لعب میں مشغول تھا۔ اب یہاں ابن تغری بردی[257] نے تین روایتیں بیان کی ہیں۔ ہارون کے اعمام کو اپنی اپنی جان کا خوف تھا[258]۔ آخر عدی اور شیبان ابنا احمد بن طولون نے اس کے قتل کا فیصلہ کیا، اور ۱۹ صفر ۲۹۲ھ کو اسے مدہوشی کی حالت میں قتل کر دیا۔ ایک اور روایت سبط ابن الجوزی کی کتاب سے نقل کی گئی ہے کہ جو فوج اب ہارون کے پاس باقی رہ گئی تھی اس کے سپاہیوں میں عصبیت کی وجہ سے مختلف اقوام کے گروہوں میں فساد اور جنگ تک نوبت پہنچی۔ ہارون بذات خود اس شورش کو فرو کرنے کے لئے نکلا اور مغاربہ کے ایک سپاہی کے تیر سے قتل ہوا۔ تیسری روایت یہ ہے کہ مصر کے قریب پہنچ کر محمد بن سلیمان نے ہارون کو لکھا کہ خلیفہ مکتفی نے اسے مصر کا حاکم مقرر کیا ہے۔ اور ہارون کو دربار خلافت میں حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔ ہارون جنگ کا فیصلہ کر چکا تھا، مگر قواد کو یہ شبہ ہوا کہ وہ آخر میں خیانت کر کے انھیں چھوڑ دے گا۔ اس لئے ایک خادم نے اُسے قتل کر دیا۔

۲۰ صفر ۲۹۲ھ کو ابو المقانب شیبان بن احمد بن طولون ہارون کا جانشین ہوا، اور ۲۳ کو واپس فسطاط پہنچا۔ لیکن خمارویہ کے ان قواد کو جو اب تک باقی رہ گئے تھے، اور جن میں طُغج بن جُف بھی شریک تھا، ہارون کا قتل ناگوار گزرا۔ انھوں نے حسین بن حمدان بن حمدون کو، جو محمد بن سلیمان کے ممتاز مشیروں میں تھا، لکھا کہ ان کے لئے امان حاصل کرے، اور اُسے فسطاط آنے پر آمادہ کرے۔ اب محمد بن سلیمان کے لئے راستہ بالکل صاف تھا۔ ایک طرف سے تو وہ فسطاط کی طرف بڑھا اور دوسری طرف سلخ صفر ۲۹۲ھ کو دمیانہ دریائے نیل کے راستے سے فسطاط پہنچا۔ یکم ربیع الاول کو شیبان نے آخری جد و جہد کے لئے عین شمس میں

---

[257] النجوم الزاہرہ۔ ج ۳ ص ۱۱۶ – ۱۱۹ + ۱۴۱۔

[258] الکندی ص ۲۴۶ +

اپنی چھاؤنی قائم کی۔ لیکن اب لوگ عام طور پر امان حاصل کر کے محمد بن سلیمان کے ساتھ شریک ہوتے جا رہے تھے۔ شیبان نے مقابلہ بے سود جان کر اپنے اور اپنے بھائیوں کے لئے امان طلب کی اور جمعرات کے دن یکم ربیع الاول سنہ ۲۹۲ھ کو محمد بن سلیمان فسطاط میں داخل ہوا۔[259] شیبان کی مدت حکومت صرف بارہ دن ہے۔

فسطاط میں داخلے کے بعد محمد بن سلیمان کی فوج میں جو خراسانی عرب شریک تھے انھوں نے عوام الناس کے گھروں میں گھس کر انھیں لوٹا، اور ہر قسم کے جرائم و معاصی کے مرتکب ہوئے جو قیاس میں آسکتے ہیں: "وفعلوا فی مصر ما لا یحل اللّٰہ من ارتکاب المآثم"[260] فتح کی خبر جب بغداد پہنچی تو وہاں سے حکم آیا کہ تمام آل طولون کو گرفتار کر لیا جائے۔ ان کی تعداد دس سے بیس تک بیان کی گئی ہے۔ انھیں بغداد لایا گیا اور ابن صاعد کے گھر میں قید کر دیا گیا۔ صرف اسی پر اکتفا نہ کر کے احمد بن طولون کا عظیم الشان میدان جلا دیا گیا۔ بدر الحمامی کو دمشق کا والی مقرر کیا گیا، اور ابن ابالی کو گرفتار کر کے محمد بن سلیمان نے اس سے پانچ لاکھ دینار وصول کئے۔ لیکن آل طولون ——— لم یبق بمصر منهم احد یذکر فخلت منهم الدیار وعفت منهم الآثار وتعطلت منهم المنازل وحل بهم الذل بعد العز والتطرید والتشرید بعد اجتماع الشمل ونضرة الملك ومساعدة الایام

فاصبحوا لا تُرى الا مساكنهم ... كانها من زمانٍ غابرٍ ذهبا[261]

۲۵۹ھ الکندی ص ۲۴۶، ۲۴۷ + کتاب التنبیہ والاشراف ص ۳۷۳ +

۲۶۰ھ ابن تغری بردی ج ۲-ص ۱۴۵ +

۲۶۱ھ ابن الاثیر ج ۷-ص ۱۷۶ + ابن خلدون ج ۴-ص ۳۱۰ + ابن تغری بردی ج ۲-ص ۲۴۸ - ۲۴۹ + طبری ج ۱۱-ص ۳۹۲ +

اس طرح سینتالیس سال اور چند مہینے کی ولایت کے بعد آل طولون کا یہ عبرتناک انجام ہوا۔ بیکر[۲۶۲] نے تعجب ظاہر کیا ہے۔ اور اس کے لئے یہ سیاسی مظہر ناقابل فہم ہے کہ کس طرح خلافت عباسیہ کی تباہی کے بغیر طولونی سلطنت قائم ہوگئی۔ لیکن اوپر کے صفحات میں ہم نے دیکھا ہے کہ طولونی "سلطنت" کبھی قائم ہی نہیں ہوئی، اور باوجود خلافت کی ابتر حالت کے قانون اور سیاسی دستور برابر اپنا کام کر رہے تھے، اور آل طولون خلیفہ کے مقرر کئے ہوئے والیان مصر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ہر فریق خلاف قانون قدم اٹھانے سے محترز تھا، اور آل طولون میں خودمختاری کا شائبہ تک نہیں تھا۔ خلافت وسلطنت کا سوال کم از کم مصر میں پیدا نہیں ہوا تھا۔ ایسی حالت میں سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم بیکر جیسے عالم کے تعجب پر تعجب کا اظہار کریں۔

آل طولون کا شجرۂ نسب

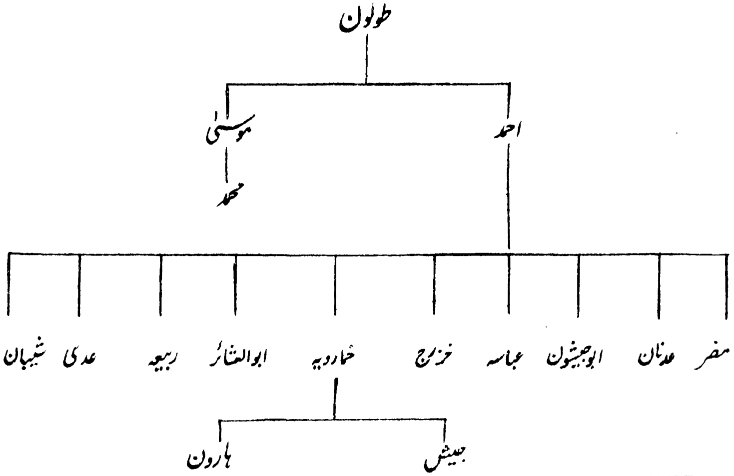

---

[۲۶۲] بائی نزاگ ص ۱۸۹ +

لٹریچر:

ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن عبدالکرم محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی المعروف بہ ابن الاثیر الجزری الملقب بعزالدین: تاریخ کامل۔ ج ۷۔ مطبوعہ مصر۔

ابن تغری بردی، جمال الدین ابی المحاسن یوسف ابن تغری بردی الاتابکی؛ النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ۔ لیدن ۱۸۵۵ء۔ ج ۱، ۲ +

ابن ایاس، محمد بن احمد بن ایاس الحنفی المصری: بدائع الزہور فی وقائع الدہور۔ جلد اول بولاق ۱۳۱۱ھ۔

ابن عساکر، ابوالقاسم علی بن حسین بن ہبۃ اللہ بن عبداللہ بن الحسین ابن عساکر الشافعی: تاریخ الکبیر ج ۲، ۴، ۵۔ دمشق ۱۳۳۲ھ۔

ابن خلدون، عبدالرحمن بن خلدون المغربی: کتاب العبر و دیوان المبتدأ والخبر۔ طبع بولاق۔ ج ۳، ۴۔

ابن الطقطقی، محمد بن علی بن طبا طبا المعروف بہ ابن الطقطقی: الفخری۔ مصر ۱۳۳۹ھ۔

ابن خلکان، قاضی احمد الشہیر بہ ابن خلکان: وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان۔ ج ۱۔ مصر ۱۳۱۰ھ۔

ابن حوقل، ابوالقاسم ابن حوقل: کتاب المسالک والممالک۔ لیدن ۱۸۷۲ء۔

ابن جبیر: رحلۃ۔ مصححہ ولیم رائٹ (اوقاف گب)

ابوالفداء، عمادالدین اسماعیل ابی الفداء: کتاب المختصر فی اخبار البشر۔ ۴ جلدین۔ مصر ۱۳۲۵ھ۔

السیوطی : جلال الدین السیوطی الشافعی : تاریخ الخلفاء۔ مصر ۱۳۵۱ھ۔

———— حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و القاہرہ۔ جلد اول و دوم مصر ۱۳۲۱ھ۔

الشریف الادریسی : صفۃ المغرب و ارض سودان و مصر و الاندلس۔ لیدن ۱۸۶۶ء۔

الطباخ الحلبی، محمد راغب بن محمود بن ہاشم الطباخ الحلبی : اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء۔ جلد اول حلب ۱۳۴۲ھ۔

الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر الطبری : تاریخ الرسل و الملوک۔ ج ۱۱ مطبوعہ مصر۔ الطبعۃ الاولیٰ۔

القلقشندی، ابو العباس احمد القلقشندی : صبح الاعشیٰ۔ جلد ۳۔ قاہرہ ۱۳۳۲ھ۔

الکندی، ابو عمر محمد بن یوسف الکندی المصری : کتاب الولاۃ (اوفاف گب) بیروت ۱۹۰۸ء۔

محمد کرد علی : خطط الشام۔ جلد اول۔ دمشق ۱۳۴۳ھ۔

المسعودی : ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی : کتاب التنبیہ و الاشراف لیدن ۱۸۹۴ء

———— : مروج الذہب و معادن الجوہر۔ مصر ۱۳۰۴ھ۔

المقدسی، شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البناء الشامی المقدسی۔ المعروف بالبشاری : احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم۔ لیدن ۱۸۷۷ء۔

المقریزی، تقی الدین احمد بن علی عبد القادر بن محمد المعروف بالمقریزی :

کتاب الخطط والآثار ۔ ۲ ۔ جلدیں بولاق سنہ ۱۲۷۰ھ ۔

ناصر خسرو : سفر نامہ ۔ مطبعۂ کاویانی ۔ برلین سنہ ۱۳۴۱ھ ۔

الیافعی' ابو عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان عفیف الدین الیافعی :
مرأۃ الجنان وعبرۃ الیقظان ۔ چار جلدیں حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۳۷ھ

الیعقوبی' احمد بن ابی ایوب جعفر بن وھب ابن واضح الکاتب العباسی
المعروف بالیعقوبی : تاریخ یعقوبی ۔ ج ۲ ۔ لیدن سنہ ۱۸۸۳ء ۔

Becker, Carl H., Beitrage zur Geschichte Agyptens unter den Islam. Strassburg, 1903. (Die Stellung der Tuluniden).

Creswell, K.A.C., Early Muslim Architecture (Umayyads, Early Abbasids, and Tulunids). Part II. Oxford, 1940.

Goldziher, Ignaz, Muhammedanisohe Studien, 2 Vols. Halle, 1890.

Lane-poole, Shanely, History of Egypt in the Middle Ages. London, 1914.

Le Strange. Guy. Palestine under the Muslims. London, 1890.

Weil, Gustao, Geschichte der Chaliphen, vol. II. Mannheim, 1848.

جمہور کا زمانہ

از

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب، پرنسپل جامعہ ملیہ، دہلی

(یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو سے ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء کو نشر کی گئی تھی)

آدمی نے اس دنیا میں جب سے قدم رکھا ہے پیٹ کی چاکری سے فرصت کبھی نہیں ملی۔ اس کی خاطر ہمیشہ طرح طرح کے جتن کرنے پڑے ہیں۔ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ اسی جتن کرنے سے اس کی زندگی کا کوئی خاص رنگ بنتا ہے۔ اسی سے اس کی سماج کا کوئی خاص ڈھنگ قایم ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ اسے نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ زندگی کی شکل آدمی کے خیالوں سے بنتی ہے۔ اس کے ارمانوں اور آرزوؤں سے بنتی ہے۔ یہ پیٹ کی فکر چاکر ہے۔ زندگی آقا ہے۔ وہ غم روزگار سے غم عشق کو اونچا درجہ دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی غم روزگار سے آزاد کون ہے۔ یہ پیٹ کا چکر، یہ رہنا سہنا، یہ کھانا پینا، خادم ہو کہ آقا، سبب ہو کہ نتیجہ، ہیں اس کے چکر میں سب۔ ہاں اس کا انداز کبھی کچھ ہوتا ہے کبھی کچھ۔ اور اس میں عام انسانوں کے میلانوں، ان کے ارادوں، ان کی عادتوں، ان کی فکروں اور بے فکریوں، ان کی طبیعت کے جمود اور ان کے مزاج کی طغیانیوں کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

مثلاً دنیا کی تاریخ میں چند آخری صدیوں کو چھوڑ دیجئے اور سرمایہ داری سے پہلے کے دور پر نظر ڈالیئے تو آدمی کی ساری معاشی زندگی میں باوجود اس کی رنگارنگی کے ایک بات برابر نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی ابھی قدرتی آدمی ہے۔ ایسا جیسا کہ خدا نے اسے

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

کتب خانہ

جامعہ ملیہ

۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ و مجلس انتظامی ایک وقت میں [illegible] کتابیں [illegible]

مجالس تعلیمات و اصلاحات ایک وقت میں [illegible] اپنے پاس رکھ سکیں گے

۲۔ اساتذہ جامعہ و کلیہ ایک وقت میں [illegible] اپنے پاس [illegible] اور [illegible]

ارکین دارالترجمہ [illegible] کتابیں بی اے [illegible] دوسرے

۳۔ طلبا میں ایم اے و بی اے ال ال بی [illegible] اپنے پاس رکھ سکیں گے

کے طلبہ دو کتابیں ایک ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکیں گے [illegible]

جملہ [illegible] کتابیں [illegible] واپس لی جائیں گی۔ [illegible] کی [illegible]

۴۔ ایک [illegible] فی کتاب [illegible] کی [illegible] داری

۵۔ بشرط موقع [illegible] کتاب کا لانا لازم ہے۔

۶۔ کتب خانہ میں کتابیں گم یا خراب ہو جائیں تو [illegible] ذمہ دار ہوگا۔

۷۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان یا حاشیہ [illegible] نہ لگایا جائے۔

۸۔ قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں باہر نہیں دی جا سکیں گی۔ فقط